داراشکوہ
احوال و افکار
محمد سلیم

محمد سلیم

مکتبۂ کارواں — کچہری روڈ، لاہور

# اظہار تشکر

میں ان سب حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کے مسودے کو مکمل یا جزوی طور پر پڑھ کر مجھے اپنے مشوروں سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔ میں بالخصوص ڈاکٹر آفتاب اصغر' ڈاکٹر اقبال علی اظہر' جناب طلعت فاطمی' جناب محمد ندیم' جناب مجاہد منصوری' جناب قمر عباس' ڈاکٹر فضل علیم' ڈاکٹر حارث رشید اور ڈاکٹر مظہر معین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں جناب جمیل احمد رضوی' چیف لائبریرین' پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے کتابوں کے حصول میں میری مدد کی۔

# فہرست

# دیباچہ

ظہیرالدین بابر سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک تقریباً تین سو برس مغلوں نے ہندوستان پر حکومت کی۔ ان میں ایک روایت یہ بھی رہی کہ بادشاہت کا تاج سر پر رکھنے کے لئے اپنے ہی خاندان کے خون کا دریا عبور کرنا پڑتا۔ مغل بادشاہوں میں شاہجہاں کا دور اس لئے خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ باپ کی زندگی ہی میں بیٹوں میں تخت نشینی کی جنگ چھڑ گئی۔ داراشکوہ سب سے بڑا اور لاڈلا بیٹا تھا۔ وہ ذہین و فطین تھا اور عقل و دانش اور علم و فکر میں اپنے آپ کو سب سے ارفع و اعلیٰ تصور کرتا تھا۔ شجاع سیر چشم، بہادر، ثابت قدم، عقل مند اور سیاسی جوڑ توڑ میں ماہر تھا۔ اورنگ زیب اولوالعزم اور صاحب استقلال تھا۔ مراد بخش سادہ دل اور ہردم مست شراب تھا۔ عام تاثر یہی تھا کہ شاہجہاں کے بعد داراشکوہ سریر آرائے سلطنت ہوگا۔ وہ ایک عالم شہزادہ تھا جسے فارسی اور عربی پر عبور حاصل تھا۔ اسے تصوف کا شوق پیدا ہوا اور اس نے علماء اور صوفیاء کے علاوہ ہندو پنڈتوں، یوگیوں اور سنیاسیوں سے اپنے تعلقات بڑھائے۔ سنسکرت زبان سیکھی اور ہندو مذہب، خاص طور پر اپنشدوں کا گہرا مطالعہ کیا۔ لیکن اس مطالعے اور ان صحبتوں کا اثر یہ ہوا کہ اس کی اپنی ہی تحریروں کے بموجب عوام اسے مرتد اور ملحد تصور کرنے لگے۔ اس کا اضطراب اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو علم سے کھوکھلے اور دجال، فرعون اور ابوجہل کے ہم مشرب کہتا ہے۔ داراشکوہ کو اقتدار کی جنگ میں شکست ہوئی اور اسے اپنی جان کا نذرانہ دینا پڑا، اس لئے بادشاہوں کی فہرست میں اس کا نام نہیں آتا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک عالم شخص تھا۔ اس کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ وہ بہت سی کتابوں کا مصنف اور اپنشدوں کا مترجم تھا۔ اس پر جتنی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں کسی میں بھی

اس کی تصنیفات کا تجزیہ نہیں ہے۔ اس کی سوچ پر تفصیلی گفتگو نہیں ہے' اور اس بات پر کوئی غور نہیں کیا گیا کہ اگر وہ جہاں بانی کا تاج پہن لیتا تو پھر ہندوستان کا نقشہ کیا ہوتا۔ ہم نے ان سب باتوں کا جائزہ لیا ہے۔ اس کی خوبیوں اور خامیوں کو اجاگر کیا ہے اور اس کی داستان حیات کے سارے پہلوؤں کو سامنے لائے ہیں۔

شہزادہ داراشکوہ تقریباً 46 سال کی عمر میں قتل کر دیا گیا۔ اس مختصر مدت میں اس نے جو علمی کام کیا' سیاسی حکمت عملی اختیار کی اور جنگیں لڑیں' نیز مذہبی افکار کی جو طرز نو ڈالی' اس کی کہانی آپ کو آئندہ صفحوں میں ملے گی۔ تاریخ کا مطالعہ صاحبان بصیرت کے لئے ایک بہت ہی اہم چیز ہے۔ مشاہدہ' تجربہ' تجزیہ جو نسل در نسل منتقل ہو رہا ہے درس عبرت دیتا ہے اور ان راہوں کی نشان دہی کرتا ہے جن پر چل کر قومیں فلاح و بہبود پا سکتی ہیں۔

شہزادہ داراشکوہ کی کتاب حیات تاریخ کا ایک ایسا ہی مطالعہ ہے۔

محمد سلیم

# پہلا باب

## حالات زندگی

اجمیر میں مشہور بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا مقبرہ ہے۔ صدیوں سے وہاں زائرین کا ہجوم رہا ہے۔ شہزادہ خرم (شاہجہاں) بھی ان کے مقبرے پر اکثر جاتا اور بیٹے کی پیدائش کے لئے دعا کرتا کیونکہ اس کے ہاں صرف بیٹیاں پیدا ہو رہی تھیں چنانچہ جب 29 صفر 1024ھ /30 مارچ 1615ء کو بروز پیر بیٹا پیدا ہوا تو اس کے والدین شہزادہ خرم اور ممتاز محل نے قدرتاً بے حد خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ اس کے دادا جہانگیر نے اس کا نام دارا شکوہ رکھا۔ ابو طالب کلیم نے اس کی ولادت پر قصیدہ کہا اور "گل اولین گلستان شاہی" سے تاریخ نکالی(1):

بگوش دل از بہر تاریخ آمد
"گل اولین گلستان شاہی"

(تاریخ (ولادت) کے لئے میرے دل کے کان میں (آواز) آئی: "شاہی باغ کا پہلا پھول")

دارا شکوہ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں بہت کم معلوم ہے کیونکہ مغل دور کے مورخین نے اپنی زیادہ تر توجہ ملک میں سیاسی واقعات بیان کرنے تک ہی محدود رکھی اور دارا کی تعلیم کے بارے میں بہت کم لکھا ہے۔ وہ چھ سال کا تھا کہ معروف حنفی عالم

ملا عبداللطیف اس کی تعلیم پر مامور ہوئے(2)- حیرانی کی بات یہ ہے کہ دارا شکوہ اپنی تصانیف میں اپنے استاد ملا عبداللطیف کا کوئی ذکر نہیں کرتا' البتہ سکینتہ الاولیاء میں اپنے دوسرے استاد میرک شیخ کے بارے میں لکھتا ہے کہ میرے علم ظاہر کے استاد اور عالم و فاضل ہیں' زہد و پرہیز گاری اور حق گوئی میں ثابت قدم ہیں- میرک شیخ اپنے عہد کے جید عالم تھے- دارا شکوہ نے ان سے عربی' فارسی' تفسیر اور دوسرے علوم سیکھے(3)- بعد میں وہ نامور علماء' عارفین' پنڈتوں اور یوگیوں سے فیض حاصل کرتا رہا- اس نے خطاطی میں بھی مہارت حاصل کی(4)-

تاریخ کے آئینے میں دارا شکوہ کی ایک اور جھلک جو ہمیں دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے باپ شہزادہ خرم نے بغاوت کے بعد جب اپنے باپ شہنشاہ جہانگیر سے مصالحت کرلی تو جون 1626ء میں اپنے دو بیٹوں دارا اور اورنگ زیب کو جہانگیر کے پاس بطور یرغمال بھیج دیا- شہزادہ خرم کا ایک اور بیٹا شجاع پہلے سے ہی وہاں موجود تھا کیونکہ وہ جہانگیر کو اپنے پوتوں میں سب سے لاڈلا تھا- جہانگیر کی زندگی میں شہزادہ خرم کے ان دونوں بیٹوں کو لاہور میں رکھا گیا- اس کی وفات پر جب شہزادہ خرم' شاہجہاں کے نام سے 1037ھ / 1627ء میں تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو اپنے پاس آگرہ بلا لیا- اس وقت دارا 13 سال کا ہو چکا تھا- شاہجہاں نے اس کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انہی دنوں انتظام کیا ہو گا لیکن تاریخ سے ہمیں اس کی تفصیل نہیں ملتی کہ اس کے باپ نے مغل روایات کے مطابق اس کی تعلیم کے لئے کون سے انتظامات کئے(5)-

1632ء میں اس کی شادی اس کی عزیزہ کریم النساء سے' جو عام طور پر نادرہ بیگم کے نام سے پہچانی جاتی ہے' ہوئی- 1634ء میں اس کا پہلا بچہ پیدا ہوا جو جلد ہی انتقال کرگیا- دارا کو اس کا اتنا رنج اور دکھ ہوا کہ وہ بیمار پڑ گیا- اس ذہنی حالت میں وہ مشہور صوفی میاں میر سے ملا اور ان سے تسلی و تشفی حاصل کرنے کی کوشش کی-

دارا شکوہ کے سرکاری کیریئر کا آغاز 1043ھ/1633ء میں ہوا جب شاہجہاں کی سالگرہ کے موقع پر اسے "شاہ بلند اقبال" کا خطاب ملا- نیز اسے بارہ ہزار ذات

اور چھ ہزار سوار کا منصب عطا ہوا۔

دارا شکوہ شاہجہاں کا سب سے لاڈلا بیٹا تھا۔ اس سے چھوٹا محمد شجاع تھا جو 1616ء میں اجمیر میں پیدا ہوا۔ شجاع سے چھوٹا اورنگ زیب تھا جو 1618ء میں دوھ کے مقام پر پیدا ہوا اور سب سے چھوٹا مراد بخش تھا جو 1624ء میں تھاس میں پیدا ہوا۔ شاہجہاں کو یہ گوارا نہ تھا کہ دارا کو اپنے سے دور کسی صوبے میں بھیج دے۔ اگرچہ دوسرے شہزادوں کے ساتھ دارا کو بھی صوبائی گورنر بنایا گیا مگر وہ رہا اپنے باپ کے پاس ہی۔ اسے اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے نائبین کے ذریعے ان صوبوں کا کاروبار چلائے۔ اس سے نہ صرف دوسرے شہزادوں کے دلوں میں حسد پیدا ہوا بلکہ دارا کو ایک منتظم کے طور پر عملی تجربہ حاصل کرنے کا موقع بھی نہ ملا۔

داراشکوہ کو 1055ھ/1645ء میں صوبہ الہ آباد کا صوبیدار (گورنر) بنایا گیا۔ پھر وہ 1057ھ/1647ء میں صوبہ پنجاب کا' 1059ھ/1647ء میں صوبہ گجرات کا' 1062ھ/1652ء میں ملتان کا اور 1067ھ/1657 میں بہار کا گورنر ہوا۔ جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے ان صوبوں کا نظم و نسق اس کے نائب چلاتے تھے جب کہ وہ خود دربار شاہی سے وابستہ تھا۔ 1058ھ/1648ء میں اسے تیس ہزار ذات اور دس ہزار سوار کا منصب ملا۔ یہ وہی منصب تھا جو تخت نشینی سے پہلے شاہجہاں کو ملا تھا۔ اس طرح اس کے پاس کئی جاگیریں اور عہدے تھے جن سے اسے کافی آمدنی ہوتی تھی(6)۔

ایرانیوں نے 1059ھ/1649ء میں قندھار پر قبضہ کرلیا تھا۔ شاہجہاں نے اسی سال اورنگ زیب اور سعد اللہ خاں کو پچاس ہزار فوجیوں کے ساتھ قندھار واپس لینے کے لئے بھیجا۔ وہ ناکام رہے۔ اس کے تین سال بعد 1652ء میں انہیں ایک بار پھر یہ مہم سر کرنے کے لئے کہا۔ لیکن اس بار بھی ناکامی ہوئی۔ ان ناکامیوں پر شاہجہاں نے اورنگ زیب کو تہدید کی۔ اورنگ زیب کی ناکامی پر دارا شکوہ نے قلعہ فتح کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ شاہجہاں کی منظوری کے بعد فرنگی توپچیوں اور انجینروں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ لاہور میں قلعہ قندھار کے نمونہ کا ایک مصنوعی قلعہ تیار کیا گیا جس کا

محاصرہ ہوا۔ اور قلعہ شکن توپوں نے اسے تباہ کردیا۔ اس نیک شگون پر لوگوں نے شہزادے کو مبارک بادیں پیش کیں۔ مہم کی تیاری کے سلسلے میں دارا شکوہ نے کچھ ساحروں اور نجومیوں کی خدمات بھی حاصل کیں۔ چنانچہ وہ پوری جنگی تیاریوں کے بعد' نجومیوں کی بتائی ہوئی تاریخ 11 فروری 1653ء کو ستر ہزار فوج کے ساتھ قندھار روانہ ہوا۔ اس نے 27 ستمبر 1653ء تک قندھار کا محاصرہ کئے رکھا لیکن اپنے سارے سازو سامان اور عظیم الشان لشکر کے باوجود وہ قندھار فتح نہ کر سکا۔ شاہجہاں کا فرمان آنے پر محاصرہ اٹھالیا گیا اور شاہزادہ واپس آگیا۔ ان مہموں میں ناکامی کے دو بڑے اسباب تھے۔ ایک یہ کہ قندھار جیسے مستحکم قلعے کی تسخیر کے لئے جیسا سامان درکار تھا' خاص طور پر توپیں' وہ موجود نہ تھا۔ دوسرے محصور فوجیں جنگی مہارت میں عبور تامہ رکھتی تھیں۔ دارا شکوہ کی ناکام واپسی پر بھی شاہجہاں نے اسے مزید نوازشات سے سرفراز کیا اور ساٹھ ہزار ذات اور چالیس ہزار سوار کا فقید المثال منصب عطا کیا (7)۔

دارا شکوہ کو دوسرے شہزادے اور مسلمان امراء اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ وہ شاہجہاں کے بعد سریر آرائے سلطنت ہو کیونکہ ان کے نقطہ نظر سے دارا شکوہ میں نہ صرف سیاسی بصیرت اور عسکری مہارت کا فقدان تھا بلکہ یوگیوں' پنڈتوں اور سنیاسیوں سے رابطے بڑھانے نیز اپنشد اور بھگوت گیتا وغیرہ کے گہرے مطالعے کے بعد وہ ہندو مذہب سے بہت حد تک متاثر ہو چکا تھا۔ اس کا یہ نظریاتی رجحان بھی واضح ہو رہا تھا کہ اسلام اور ہندو مت میں اصطلاحات کے علاوہ کوئی اور فرق نہیں۔ چنانچہ اس کے افکار و اعمال سے یہ تاثر ملتا تھا کہ اس کے بادشاہ بننے پر دین کی نئی نئی تاویلیں ہوں گی' مسلمانوں کے اعتقادات پر ضرب لگائی جائے گی اور اکبر بادشاہ کا دور لوٹ آئے گا۔

دارا شکوہ میں خوبیوں کی کمی نہ تھی۔ وہ شیریں بیاں' حاضر جواب اور فیاض تھا۔ لیکن وہ سمجھتا تھا کہ اپنی ذہنی صلاحیتوں کی بنا پر وہ اپنے تمام کام اپنی سوچ سے ہی بخوبی سرانجام دے سکتا ہے اور روئے زمین پر ایسا کوئی آدمی نہیں جس کے مشورے سے وہ مستفید ہو سکے۔ وہ ان لوگوں کے لئے تحقیر کا اظہار کرتا تھا جو کسی معاملے میں اسے مشورہ

دینے کی جرات کر بیٹھتے۔ اس طرح اس کے مخلص ترین دوست بھی اسے اس کے بھائیوں کے خفیہ منصوبوں کے بارے میں بتانے سے گریز کرتے۔ وہ بڑے بڑے امراء تک کو دھمکیاں دیتا اور ان کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کرتا۔ اگرچہ عام طور پر اس کا غصہ تھوڑی دیر کے لئے ہوتا، مگر اس کے اثرات دیرپا ہوتے(8)۔

شاہجہاں کی دارا سے بے حد محبت کی وجہ سے عام طور پر درباری اس کی خوشامد کرتے رہتے اور کوئی بھی اس کی بات ٹالنے کی جرات نہ کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ایک خودسر اور خوشامد پسند شخص بن گیا جو اس بات کو برداشت نہیں کرتا تھا کہ کوئی اس کی رائے سے اختلاف کرے۔ اور اگر کبھی کوئی یہ جرات کرتا تو وہ اسے سر دربار ذلیل و خوار کر دیتا۔ شاہجہاں نے اسے بار بار سمجھایا کہ وہ امرائے دربار سے کج خلقی کے ساتھ پیش نہ آئے مگر اس پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا کیونکہ وہ اپنے آپ کو نہایت عقل مند، ذہین اور صائب الرائے شخصیت سمجھتا تھا۔

حمید الدین خاں "احکام عالمگیری" میں لکھتا ہے(9) کہ دارا شکوہ بعض امراء کے ساتھ عداوت اور بعض کے ساتھ غرور و تکبر کا سلوک کرتا تھا۔ ان امراء میں علی مردان خاں، سعد اللہ خاں اور سید میران بارہہ بھی شامل تھے۔ یہ سب پانچ ہزاری مرتبہ رکھتے تھے اور شاہجہاں کے خاص مصاحبین میں سے تھے۔ ادھر اورنگ زیب کو ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ربط خاص تھا، چنانچہ یہ تینوں اور ان کے علاوہ کئی دوسرے امراء مثلاً افضل خاں، ملا علاء الملک، کمال محبت سے اورنگ زیب کی رازداری میں حق دوستی ادا کرتے تھے۔ یہ بات شاہجہاں کو بہت گراں گزرتی تھی۔ شاہ بلند اقبال (دارا شکوہ) کی پیشانی سے آثار ادبار دیکھ کر اور شاہزادہ اورنگ زیب کی قسمت کی بلندی کے آثار دیکھ کر بادشاہ نے دارا شکوہ کو افعال ناپسندیدہ اور اقوال نازیبا سے بچنے کی نصیحت فرمائی لیکن ان نصیحتوں نے دارا شکوہ پر کچھ اثر نہیں کیا، جیسا کہ کہا ہے:

گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ
بہ آب زم زم و کوثر سفید نتواں کرد

(انہوں نے جس کی قسمت کا کمبل سیاہ بن دیا' اسے زم زم اور کوثر کے پانی سے بھی سفید نہیں کیا جاسکتا)

اس پر شاہجہاں نے چاہا کہ اورنگ زیب امراء کے ساتھ اپنے سلوک میں تبدیلی کرے تاکہ وہ اس کی رازداری سے دست بردار ہو جائیں' چنانچہ اورنگ زیب کو خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجا: "بابا' سلطان اور ان کے فرزندوں کو بلند ہمت اور عالی فطرت ہونا چاہئے۔ سنا ہے کہ تم ہر ایک ملازم سے ایسا سلوک کرتے ہو جس سے اپنے آپ کو انتہائی پست کر لیتے ہو۔ اگر یہ عاقبت بینی پر مبنی ہے تو یاد رکھو کہ تمام کام تقدیر سے وابستہ ہیں۔ اس پست فطری سے سوائے ذلت کے اور کچھ حاصل نہ ہو گا"۔

احکام عالمگیری میں یہ بھی لکھا ہے (10) کہ شاہجہاں کہتا تھا کہ ہمیں بعض اوقات خیال آتا ہے کہ مہین پور (داراشکوہ) نیک لوگوں کا دشمن واقع ہوا ہے۔ مراد بخش کو مے نوشی سے فرصت نہیں اور محمد شجاع میں سیر چشمی کے سوا کوئی اور صفت نہیں' مگر اورنگ زیب اپنے عزم و شعور کی وجہ سے سلطنت کے اس بار گراں کو اٹھالے گا۔ لیکن اس کی فطرت میں زبردست خامیاں بھی ہیں۔

تا دوست کرا باشد و میلش بکہ باشد
(وہ دوست کسی کا ہو گا اور اس کا میلان کسی اور کی طرف ہو گا)

اس تحریر سے شہزادوں کے کردار کے بارے میں ان کے باپ شاہجہاں کی رائے کے صائب ہونے کا احساس ہوتا ہے' لیکن فطری محبت کی وجہ سے وہ داراشکوہ کے آخری دم تک اس کا طرف دار رہا۔

اس سلسلے میں داراشکوہ کی خودسری کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے(11):
سعد اللہ خاں ایک بہت بڑا عالم' بہت اچھا منتظم' نہایت ایمان دار اور شاہجہاں کا سب سے اچھا دیوان تھا۔ وہ فارسی اور عربی کے علاوہ ترکی زبان بھی جانتا تھا' وہ ایک خوش

گفتار اور فصیح البیان مقرر تھا۔ اس کی ذات میں اس زمانے کے اعلیٰ ترین علوم اور اپنے ماتحتوں سے کام لینے کی غیر معمولی صلاحیت جمع ہو گئے تھے۔ دارا شکوہ کا میر منشی (چیف سیکرٹری) چندر بھان کہتا ہے کہ حسابات اور مال گزاری سے متعلق اپنی عرضداشت تیار کرنے میں اسے نہ تو اپنے معتمدین کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ حسابات کی جانچ پڑتال کرنے والوں کی ماہرانہ رائے کی۔ اس کے علم و فضل کو دیکھ کر بے ساختہ ابوالفضل یاد آجاتا ہے۔ سعداللہ خاں کو اپنے حسن کارکردگی' صاف گوئی اور دیانت داری کی وجہ شاہجہاں بادشاہ کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔

ایک دفعہ داراشکوہ کے دیوان بھاڑا مل نے بادشاہ کے سامنے کچھ حسابات پیش کئے اور حکومت کے ذمے واجب الادا دس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا۔ شاہجہاں نے کاغذات سعداللہ خاں کے حوالے کردیئے اور اس سے کہا کہ دفتر دیوانی سے حسابات کی جانچ کرا کے مفصل رپورٹ پیش کرے۔ لیکن سعداللہ نے یہ کہہ کر فوری طور پر معاملہ ختم کردیا کہ یہ مطالبہ خلاف قاعدہ ہے کیونکہ اتنی بڑی رقوم خزانے سے ادا نہیں کی جاتیں' آگے چل کر یہ مطالبہ نقدی میں محسوب ہو جائے گا۔ دیوان کا فیصلہ آخری تھا۔

داراشکوہ بھی دربار میں موجود تھا۔ دربار ختم ہو جانے کے بعد اس نے سعداللہ کو برا بھلا کہا۔ محرروں نے شاہجہاں سے سارے واقعے کی رپورٹ کی۔ بادشاہ نے فوراً شہزادے کو لکھا کہ کسی صاف دل شخص سے جھگڑنا اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہے۔ جو شخص آئینے پر تلوار چلاتا ہے وہ اپنے آپ کو قتل کرتا ہے۔ کسی بھی شاہی ملازم کے جذبات کو مجروح کرنا بہت برا ہے بالخصوص سعداللہ خاں جیسے شخص کے جذبات کو۔ دلوں کو جیتنا بہترین حکمت عملی ہے اور اسی سے حکمرانوں کی ہر دلعزیزی اور اقبال مندی میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ شام کے وقت' بادشاہ نے محمودی زردوزی کے کئی تھان اور تین ہزار دینار بطور تحفہ اپنے منظور نظر دیوان کو بھیجے اور اس طرح اس کی عزت افزائی کی۔ یوں یہ سارا معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

یہاں ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں (12) جس سے نہ صرف اورنگ زیب

کے عشق کی داستاں کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ داراشکوہ شروع ہی سے اورنگ زیب سے خوش نہ تھا۔ جب اورنگ زیب دکن کا گورنر مقرر ہوا تو اورنگ آباد جاتے ہوئے برہان پور میں' جہاں اس کی خالہ رہتی تھی' رکا۔ ایک روز شہزادہ برہان پور کے عالم آرا باغ میں کہ آہو خانہ کے نام سے مشہور ہے' محو گل گشت تھا کہ اس کی خالہ کی ایک کنیز زین آبادی جو نغمہ سنجی میں بے مثال اور شیوہ دل بری میں یکتا تھی' شہزادے کی خالہ کے ساتھ آئی۔ چہل قدمی کے وقت آموں سے لدے ہوئے درخت کو دیکھ کر شاہزادے کا پاس ادب کئے بغیر وہ نہایت شوخی سے بے باکانہ اچھلی اور ایک شاخ بلند سے ایک آم توڑ لیا۔ دلبری اور دل ربائی کے اس انداز نے شہزادے پر خود فراموشی طاری کردی اور ہوش و پارسائی کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

عجب گیرندہ دامے بود در عاشق ربائی ہا
نگاہ آشنائے یار ہ پیش از آشنائی ہا

(محبوب کی آشنائی سے پہلے کی نگاہ آشنا' عاشق کو چھین کر لے جانے کے لئے عجیب گرفت والا جال تھی)

اپنی خالہ سے بہت اصرار اور ساجت کر کے شہزادہ نے اسے حاصل کیا اور باوجود اپنے زہد و تقویٰ کے اس کا ایسا دلدادہ اور شیدا ہوا کہ اپنے ہاتھ سے شراب کا پیالہ بھر بھر کر اسے پیش کرتا تھا۔

ایک دن زین آبادی نے بھی شراب کا پیالہ شہزادے کو دیا اور اس کے پینے پر اصرار کیا۔ شہزادے نے ہرچند عجز و نیاز سے کام لیا' اس نے ایک نہ سنی۔ لیکن جونہی اس فسوں ساز نے دیکھا کہ شہزادہ مجبور ہو کر پینے پر آمادہ ہوگیا ہے تو فوراً اس کے ہاتھ سے پیالہ چھین لیا اور کہا کہ مقصد صرف محبت کا امتحان لینا تھا نہ کہ آپ کی تلخ کامی' (غرض امتحان عشق بود نہ کہ تلخ کامی شما)۔

معاملہ اس درجے تک جا پہنچا کہ شاہجہاں بادشاہ کو بھی خبریں لگنے لگیں۔ داراشکوہ نے اس حکایت کو بدگوئی اور نکتہ چینی کی بنیاد بنا کر بادشاہ سے کہا کہ اس مکار و ریاکار کو صلاح و تقویٰ سے کیا کام کہ خود کو اپنی خالہ کی ایک کنیز کے پیچھے برباد کیا: بیبند' آں مزور ریائی چہ صلاح و تقویٰ ساختہ است؟ لیکن عین شباب میں زین آبادی کی زندگی کا پھول مرجھا گیا اور وہ شہزادے کو ابدی ہجر کے داغ میں مبتلا کر گئی۔ اورنگ آباد میں تالاب کلاں کے قریب اس کا مقبرہ آج تک موجود ہے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ داراشکوہ اپنے چھوٹے بھائی اورنگ زیب کے خلاف بات کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

یہاں ایک اور واقعہ کا ذکر بے جا نہ ہوگا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اورنگ زیب بھی آغاز سے ہی داراشکوہ کی نیت پر شک کرتا تھا۔ احکام عالمگیری میں لکھا ہے (13) کہ داراشکوہ نے اکبر آباد میں ایک نیا محل تعمیر کیا تو شاہ جہاں اور تینوں بھائیوں کی دعوت کی۔ دریا کے متصل ایک تہہ خانہ بنایا تھا۔ گرمی کا موسم تھا اس لئے وہ بادشاہ اور شہزادوں کو تہہ خانہ میں لے گیا۔ تہہ خانے میں برابر آمدورفت جاری تھی۔ اورنگ زیب تہہ خانے کے دروازے کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ داراشکوہ نے یہ دیکھ کر شاہجہاں کو آنکھ کے اشارے سے اس طرف متوجہ کیا۔ بادشاہ نے اورنگ زیب سے کہا۔ "بابا' ہمیں معلوم ہے کہ تم عالم اور درویش صفت ہو' لیکن پھر بھی حفظ مراتب ضروری ہے:

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

(اگر تو حفظ مراتب [illegible] نہ کرے تو ملحد ہے)

کیا ضرورت ہے کہ عام لوگوں کے راستے میں بیٹھو اور اپنے چھوٹے بھائی (مراد بخش) کی بھی پشت پر رہو۔ لیکن اورنگ زیب وہیں بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد جماعت کے ساتھ نماز ظہر پڑھنے کے لئے اٹھا اور پھر وہاں سے بغیر اجازت اپنے محل میں چلا گیا۔

شاہجہاں اس پر سخت ناراض ہوا اور سات ماہ تک دربار میں اس کی حاضری بند رکھی۔ پھر شہزادی جہاں آرا بیگم کو حکم دیا کہ اورنگ زیب سے اس کی وجہ معلوم کرے۔ شہزادی کے دریافت کرنے پر شہزادہ اورنگ زیب نے کہا کہ جس روز دارا شکوہ نے دعوت کی تھی انہوں نے باپ اور بھائیوں کو ایک ایسے تہہ خانے میں بٹھایا تھا جس کا صرف ایک دروازہ تھا اور خود دعوت کے انتظام کے لئے برابر آتے جاتے رہے۔ اگر انہوں نے قصداً ایسا کیا تھا تو وہ جب بھی دروازہ بند کر دیتے ہم سب کا کام تمام ہو جاتا۔ اور اگر ان سے سہواً ایسا ہوا تو میرے دل میں برابر یہ خیال آرہا تھا کہ جب تک وہ سب اندر ہیں، میں یہ خدمت (محافظت) بجالاؤں، لیکن اعلیٰ حضرت (شاہجہاں) کا دبدبہ اس خدمت کی بجا آوری میں مانع تھا۔ اس لئے میں استغفار پڑھتا ہوا چلا آیا۔

جب شاہجہاں نے یہ سنا تو فوراً اورنگ زیب کو طلب کیا اور بہت عنایات کیں۔

ذرا غور کیجئے کہ باپ کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا جارہا ہے کہ دارا شکوہ ہمارے خلاف تو ہے ہی، بادشاہ بننے کے لئے آپ کو بھی نہیں چھوڑے گا، اور پھر ہوا کیا؟

دارا شکوہ ایک عالم اور صوفی تھا جسے اسلام اور ہندو دھرم دونوں سے خاصا شغف تھا۔ وہ دانش دوست تھا اس لئے اس کے پاس ہر مذہب کے علماء اور ادباء جمع ہو گئے تھے۔ وہ ان کی علمی و ادبی و مذہبی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کرتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ نہ صرف ایک صاحب دیوان شاعر تھا بلکہ شاعروں کا بھی بے حد قدردان تھا۔ اور انہیں دریا دلی سے نوازتا تھا۔ اس لئے بہت سے شعرا اس کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ میر رضی دانش مشہدی، شاہجہاں کے دور میں ہندوستان آیا۔ پہلے دکن اور بنگال میں رہا۔ پھر شاہجہاں کے دربار میں رسائی ہوئی۔ اس نے جب اپنی ایک غزل دارا شکوہ کی مجلس میں پڑھی تو اس کے ایک شعر پر خوش ہو کر شہزادے نے اسے ایک لاکھ روپیہ انعام دیا۔ شعر یہ ہے (14):

تاک را سیراب دار، اے ابر نیساں در بہار
قطرۂ تا مے تواند شد چرا گوہر شود

(اے ابرِ نیساں، موسم بہار میں انگور کی بیل کو سیراب رکھ۔ (کیونکہ) اگر ایک قطرہ شراب بن سکتا ہے تو (پھر) وہ موتی کیوں بنے؟)

داراشکوہ نے نہ صرف اپنے درباریوں کو اس پر طبع آزمائی کے لئے کہا بلکہ اس کے جواب میں خود بھی یہ شعر کہا:

سلطنت سہل است، خود را آشنائے فقر کن
قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود؟

(سلطنت (حاصل کرنا) آسان ہے، اپنے آپ کو فقر سے آشنا کر۔ قطرہ جب سمندر بن سکتا ہے تو وہ موتی کیوں بنے؟)

دارا شکوہ کا میر منشی (چیف سیکرٹری) چندر بھان ایک شاعر بھی تھا۔ مذہبی خیالات میں ہم آہنگی کی وجہ سے، دارا اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ چندر بھان کا ایک شعر اسے بہت پسند آیا۔ اس کی تعریف شاہجہاں سے کی اور اسے بادشاہ کے دربار میں لے گیا۔ شاہجہاں نے چندر بھان برہمن سے فرمائش کی کہ

"دریں ایام شعری کہ بابا (داراشکوہ) از تو پسند کردہ است، بخوان"

(ان دنوں بابا (داراشکوہ) کو تیرا جو شعر پسند ہے، اسے پڑھو)

چندر بھان نے اپنا یہ شعر پڑھا:

مرا دل است چہ کفر آشنا کہ چندیں بار
بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

(مرا دل کفر سے کیسا آشنا ہے کہ میں اسے کئی بار کعبہ لے گیا اور اسے برہمن ہی واپس لایا)

بادشاہ یہ شعر سن کر سخت برہم ہوا۔ اس کا مزاج دیکھ کر افضل خاں شیرازی نے فوراً یہ شعر پڑھا۔

خر عیسیٰ اگر بمکہ رود
باز آید ہنوز خر باشد

(حضرت عیسیٰ کا گدھا اگر مکہ چلا جائے تو جب واپس آئے گا تب بھی گدھا (ہی) ہو گا)

یہ شعر سن کر بادشاہ کا غصہ فرو ہوا اور شاہزادے کو کہا کہ آئندہ اس قسم کی لغویات ہمارے حضور پیش نہ کی جائیں(15)۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ دارا شکوہ کا یہ قابل اعتماد ساتھی، اس کی موت کے بعد اورنگ زیب عالم گیر کے دربار سے وابستہ ہو گیا(16)۔

ماہ ذی الحجہ 1067ھ (1657ء) میں شاہجہاں سخت بیمار ہو کر صاحب فراش ہوا۔ اس کی صحت روز بروز گرنے لگی۔ ان دنوں شہزادہ اورنگ زیب بیجاپور کے محاصرے میں لگا ہوا تھا۔ اچانک اسے اور اس کے لشکر کے سرداروں کے نام شاہجہاں کی طرف سے یہ فرمان پہنچا کہ وہ اس مہم کو چھوڑ دیں۔ اور وہ امرائے سلطنت جو لشکر کے ہمراہ ہیں فوراً واپس چلے آئیں۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم کے مطابق ان امرا نے اورنگ زیب کی اجازت کے بغیر آگرے کا رخ پکڑا۔ شہزادہ اورنگ زیب بھی اس مہم کو نامکمل چھوڑ کر اور والی بیجاپور سے ایک کروڑ روپیہ لے کر اپنے علاقے میں واپس چلا گیا۔ بادشاہ کا یہ فرمان، دارا شکوہ کے کہنے پر جاری کیا گیا تاکہ وہ امرا جو اورنگ زیب کے ہمراہ جنگ میں مصروف تھے وہ دارالحکومت واپس آکر دارا شکوہ سے وابستہ ہو جائیں۔

شہزادہ محمد شجاع اور شہزادہ مراد بخش اپنے اپنے صوبوں میں تھے۔ شہزادہ دارا شکوہ آگرہ میں باپ کے پاس تھا اور یہ نہیں چاہتا تھا کہ باقی شہزادوں کو بادشاہ کی بیماری کا علم ہو۔ غالباً اسے خدشہ تھا کہ بڑا بیٹا ہونے کے باوجود راسخ العقیدہ امراء اس کا ساتھ نہ دیں گے اور کسی دوسرے شہزادے کی دارالخلافہ میں موجودگی کی صورت میں امرائے دربار

اس کے گرد اکٹھے ہو کر اسے (دارا شکوہ کو) ہندوستان کے تاج و تخت سے محروم کر دیں گے۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اورنگ زیب، مراد اور شجاع کے آگرہ میں موجود وکیلوں سے ضمانتیں لیں کہ وہ دربار کی کوئی خبر شہزادوں کو نہیں بھیجیں گے۔ لیکن بادشاہ کی بیماری کوئی ایسی خبر نہ تھی کہ چھپائے چھپ جاتی۔ ملک میں تشویش اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ دارا کے اقدامات نے اس شبے کو تقویت بخشی کہ بادشاہ انتقال کر چکا ہے۔ چنانچہ باقی شہزادوں نے بھی اپنے اپنے مورچے سنبھال لئے۔

بنگال کے گورنر شہزادہ شجاع کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔ اس لئے وہ بڑی تعداد میں فوج رکھ سکتا تھا۔ چنانچہ جب اس نے شاہجہاں کی وفات کی افواہ سنی تو اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور اپنے صوبائی صدر مقام راج محل میں رسم تاج پوشی ادا کی۔ اپنے نام کا سکہ جاری کیا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک فرمان یہ بھی جاری کیا کہ دارا شکوہ نے اپنے باپ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا ہے۔ وہ نہ صرف اس قتل کا انتقام لے گا بلکہ بادشاہت کے خالی تخت پر بھی مسند نشین ہو گا۔ اس کے بعد وہ ایک لشکر جرار لے کر آگرہ کی جانب بڑھا۔ شاہجہاں نے اسے لکھا کہ وہ ابھی حیات ہے اس لئے شجاع اپنی فوجوں کے ساتھ بنگال واپس چلا جائے، لیکن چونکہ دربار میں شجاع کے دوستوں نے اسے اطلاع دی تھی کہ بادشاہ کا مرض لاعلاج ہے اس لئے وہ آگرہ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ بہانہ یہ بنایا کہ اسے شاہجہاں کی موت کا پورا پورا یقین ہے۔ یہ تحریر شاہجہاں کی نہیں۔ دارا نے اس کے ہینڈ رائٹنگ میں لکھی ہے، اور اگر خدا کے فضل سے شاہجہاں زندہ ہوئے تو اس صورت میں وہ بادشاہ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرے گا۔ 4 ربیع الاول 1068ھ کو شاہجہاں کے حکم سے دارا شکوہ نے اپنے بیٹے سلیمان شکوہ اور راجہ جے سنگھ کی سرکردگی میں ایک بھاری لشکر شجاع کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ بنارس کے قریب دونوں فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ شجاع کو شکست ہوئی اور وہ اپنی جان بچا کر بنگال بھاگ گیا(17)۔

اسی طرح احمد آباد میں شہزادہ مراد بخش نے اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کر دیا۔

دکن میں شہزادہ اورنگ زیب نے بھی اپنا فرمان جاری کیا اور اپنی فوجیں حرکت میں لے آیا۔ وہ آگرہ کی طرف بڑھنے کے لئے سوچ رہا تھا کہ اسے اور مراد کو بھی شاہجہاں کی طرف سے ویسے ہی خطوط ملے۔ انہوں نے بھی شجاع جیسا ہی جواب دیا' لیکن چونکہ اورنگ زیب کے خزانے میں زیادہ مال و دولت نہیں تھا اور اس کی فوج نسبتاً کم تھی' اس لئے جو کچھ وہ فوج کی مدد سے حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے سیاست سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے شہزادہ مراد بخش کو خط لکھا کہ میں تو ایک فقیر اور درویش ہوں۔ دارا کافر اور ملحد ہے اور شجاع رافضی ہو چکا ہے۔ اس لئے ہم تینوں میں سے کوئی بھی حکومت کا اہل نہیں۔ سلطنت کے صحیح حق دار تم ہو۔ آؤ مل کر آگے بڑھیں!

اورنگ زیب کو باقی شہزادوں کے بارے میں تمام خبریں برابر پہنچ رہی تھیں۔ اس کے جاسوسوں اور مخبروں نے یہ اطلاع فراہم کی تھی کہ دارا شکوہ نے اپنے امرا' مہاراجہ جسونت سنگھ اور قاسم خاں کو ہدایت کی ہے کہ اگر اورنگ زیب دہلی کی جانب بڑھے تو راستے میں ہی روک لیں۔ لیکن اورنگ زیب نہایت تحمل سے حالات کا مطالعہ کر رہا تھا اور موقع کا منتظر تھا۔ اس نے مراد بخش کو بادشاہت کا لالچ دے کر اور اپنی فقیری کا دعویٰ کر کے اس سے تعلقات بڑھائے اور پھر آگرے کی طرف بڑھا۔ 20 رجب 1068ھ کو وہ دیبال پور آگیا جہاں پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مراد بخش بھی اس سے آملا۔ جب جسونت سنگھ کو پتہ چلا تو وہ بھی اپنی فوجیں لے کر آگے بڑھا اور ان کے پڑاؤ سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہوا۔ اورنگ زیب نے اسے پیغام بھیجا کہ وہ اپنے والد کی عیادت کے لئے جا رہے ہیں اس لئے وہ ان کا راستہ نہ روکے۔ لیکن جسونت سنگھ نہ مانا اور انہیں واپس جانے کے لئے کہا۔ لڑائی ہوئی اور جسونت سنگھ شکست کھا کر اپنے وطن کی طرف بھاگ نکلا(18)۔

اورنگ زیب اور مراد کی متحدہ فوجیں آگے بڑھتی ہوئی دھرمات کے مقام پر پہنچیں۔ دارا شکوہ کو جب پتہ چلا تو وہ ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ اورنگ زیب اور مراد کی مشترکہ افواج سے جنگ کے لئے آگے بڑھا۔ اس عرصہ میں اورنگ زیب اپنے باپ

شاہجہاں کو ایک خط لکھ چکا تھا جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی درج تھا: سنا جارہا ہے کہ اب شاہ بلند اقبال (دارا شکوہ) بذات خود میدان کارزار گرم کریں گے۔ یہ ان کی بزرگانہ شان کے خلاف ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مجھ ایسے کار آزمودہ جنگجو کے مقابلے پر ان کا بازی لے جانا قطعاً ناممکن ہے۔ اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ اپنی بزرگی کا وہ خود احترام کریں۔ اس ارادے کو ترک کر دیں۔ اپنے علاقے پنجاب کو تشریف لے جائیں اور کچھ دنوں اس نیازمند کو اعلیٰ و اقدس (یعنی شاہجہاں) کی خدمت میں باریابی کا موقعہ دیں۔ اس کے بعد جو آپ کی رائے ہوگی اس پر عمل ہوگا۔(19) اس پر شاہجہاں نے دارا کو سمجھایا کہ اس کا جنگ کرنا مناسب نہیں لیکن وہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا۔ دراصل' اسے اپنی اور اپنے فوجیوں اور ساحروں کی صلاحیتوں پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ جنگ میں اپنی فتح کو یقینی سمجھتا تھا۔ تنگ آکر شاہجہاں نے اس سے کہا "یاد رکھو' اگر لڑائی بگڑ گئی تو مجھے کیا منہ دکھاؤ گے؟" بھائیوں کے درمیان اہم ترین جنگ 7 رمضان 1068ھ/30 مئی 1658ء کو آگرہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر سموگڑھ کے محاذ پر ہوئی۔ دارا شکوہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ میدان جنگ میں آیا' اس نے بار بار مشورے کے باوجود اپنے بیٹے سلیمان شکوہ کی واپسی کا بھی انتظار نہ کیا۔ دارا شکوہ کو اورنگ زیب اور مراد کی متحدہ فوجوں کے ہاتھوں 7 رمضان 1068ھ کو شام ہونے سے پہلے ہی شکست ہوگئی۔ جنگ کے بعد شاہجہاں نے اسے بار بار بلایا لیکن وہ شرم کے مارے اس کے پاس نہ گیا۔ آخر' شاہجہاں نے ایک وفادار خواجہ سرا کی زبانی اپنے لاڈلے مگر بدنصیب شہزادے کو تسلی دی اور یہ پیغام بھیجا کہ مجھے اب بھی تم سے ویسا ہی پیار ہے۔ تمہاری اس شکست کا مجھے بے حد رنج ہے۔ لیکن ناامید ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ابھی سلیمان شکوہ کا لشکر بالکل صحیح و سلامت ہے۔ تم دہلی چلے جاؤ۔ صوبیدار کو حکم بھیج دیا گیا ہے۔ بادشاہی اصطبل میں ایک ہزار گھوڑے موجود ہیں۔ وہ تمہیں خزانہ اور ہاتھی بھی سونپ دے گا۔ آگرے سے دور نہ جانا بلکہ ایک ایسے معقول فاصلے پر ٹھہرنا جہاں ہماری تحریریں تمہیں باسانی ملتی رہیں۔ ہمیں اب تک یہ امید ہے کہ ہم معاملات کو تسلی بخش طریقے سے حل کر سکیں گے۔ چنانچہ وہ راتوں رات بیوی بچوں اور

جواہرات کے صندوقچوں کے ساتھ دہلی بھاگ گیا- وہاں سے سازو سامان لے کر وہاں سے لاہور' ملتان' بھکر اور گجرات ہوتا ہوا کچھ پہنچ گیا- پہلے خود اورنگ زیب اور بعد میں اس کے سردار اس کا مسلسل پیچھا کرتے رہے- داراشکوہ کا فرار ایک بڑی دردناک کہانی ہے(20)-

داراشکوہ کو اب یہ خیال آیا کہ وہ ہمایوں کے نقش قدم پر کیوں نہ چلے- چنانچہ اس نے اپنے ایلچی بھیج کر شاہ عباس دوم سے ایران آنے کی اجازت مانگی- شاہ نے نہ صرف اجازت دی بلکہ اپنے حکام کے نام فرمان جاری کیا کہ شاہزادے کا پرتپاک خیر مقدم کیا جائے(21)- چنانچہ داراشکوہ نے ایران جانے کے ارادے سے قندھار کا رخ کیا لیکن اس کے ساتھی مایوس ہو ہو کر اسے چھوڑتے گئے' اس کے حامی و مددگار اس سے الگ ہو گئے اور اس وقت مصائب کی انتہا ہو گئی جب اس کی ہمدم و ہمراز بیوی نادرہ بیگم انتقال کر گئی- دارا کی حالت بہت خستہ ہو گئی- وہ شکست و ریخت کا شکار تھا- اس سفر میں وہ دادر کے افغان سردار ملک جیون کے ہاں ٹھہرا جس نے حکومت وقت کی وفاداری میں اس کی موجودگی کی اطلاع اورنگ زیب کو دے دی' اور داراشکوہ' اس کے بیٹے سپہر شکوہ اور اس کی بیٹی کو اورنگ زیب کے آدمیوں کے حوالے کر دیا جو انہیں لے کر دہلی آئے- داراشکوہ کو ہاتھی پر سوار کرا کے دہلی کی گلیوں میں گھمایا گیا- اس پر الحاد اور بے دینی کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور مرتد قرار دے کر اسے علماء کی طرف سے سزائے موت سنائی گئی- چھوٹے بھائی نے اس کی موت کا فرمان جاری کیا اور 21 ذوی الحجہ 1069ھ/30 اگست 1659ء کو بدھ کی رات اسے موت کی سزا دے دی گئی- اس طرح شاہجہاں کا لاڈلا بیٹا اور ہندوستان کا ہونے والا شہنشاہ' اس دار فانی سے رخصت ہو گیا- اسے مقبرہ ہمایوں کے احاطے میں دفن کیا گیا(22)-

اگرچہ داراشکوہ کی ساری عمر محلوں میں گزری تھی' لیکن اس میں اپنے آپ کو حالات کے مطابق ہم آہنگ کرنے کی صلاحیت تھی- اس نے تقریباً ساری عمر دربار میں گزارنے کے باوجود جنگی مہارت کا مظاہرہ کیا- مگر اورنگ زیب کو قدرت کی طرف سے جو

حیرت انگیز صلاحیتیں ودیعت ہوئی تھیں' دارا شکوہ اپنے امرا کا دلی تعاون نہ ہونے کی وجہ سے ان کا مقابلہ نہ کرسکا۔

وزیر اعظم علامی سعد اللہ خاں اس جنگ سے کوئی ڈیڑھ سال پہلے انتقال کرچکا تھا۔ تقریباً گیارہ مہینے پہلے امیر الامرا علی مردان خاں بھی وفات پاگیا تھا۔ اگر یہ دونوں امیر زندہ ہوتے تو شاید دارا شکوہ اپنی مرضی کے مطابق شاہجہاں سے احکام جاری نہ کراسکتا۔ "شاہجہاں نامہ" کا بیان ہے کہ دارا شکوہ بظاہر تو دولت خواہی میں کوشاں تھا' مگر حقیقتاً اپنی بدخوئی کررہا تھا۔ شاہجہاں کو اس کی مرضی کے مطابق فرامین بھیجنے میں تامل تھا لیکن "از فرط غلبہ و وفور تصرف آں بلند قدر در مزاج مبارک امتناع از پیش نہ رفت۔" اگر سعد اللہ خاں زندہ رہ جاتا تو شاید شاہجہاں کا آخری دور اتنا الم ناک نہ ہوتا(23)۔

دارشکوہ کی دو بیٹیاں اور چار بیٹے تھے۔ لیکن اس کی موت کے وقت صرف دو بیٹے اور ایک بیٹی زندہ تھے۔

1043ھ میں دارا شکوہ کے گھر پہلی بچی پیدا ہوئی جو انتقال کرگئی(24)۔

26 رمضان 1044ھ کو اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام سلیمان شکوہ رکھا گیا۔ جمادی الثانی 1064ھ میں سلیمان شکوہ کی شادی راؤ امر سنگھ کی بیٹی سے ہوئی جسے شادی سے پہلے ضروری آداب کی تعلیم دی گئی اور کلمہ طیبہ پڑھایا گیا۔ 1061ھ میں سلیمان شکوہ کی دوسری شادی ہوئی اور 1067ھ میں تیسری۔ ہر شادی کے موقعہ پر شاہجہاں بادشاہ کی طرف سے خلعت و جواہرات گراں بہا عطا کئے گئے۔ اپنے باپ کی گرفتاری کے بعد' سلیمان شکوہ نے راجہ پرتھی پت زمیندار سری نگر کے پاس پناہ لی۔ راجہ نے اورنگ زیب کے ایلچی کے ساتھ مذاکرات کے بعد سلیمان شکوہ کو قید کردیا اور پھر اپنے بیٹے کے ہمراہ اورنگ زیب کے پاس بھیج دیا۔ اورنگ زیب نے دو روز کے بعد اسے اپنے حضور میں طلب کیا اور اگلے دن اسے اپنے فرزند محمد سلطان کے ہمراہ قلعہ گوالیار کے قید خانے میں بھیج دیا۔ وہ 11 شوال 1072ھ کو زندان گوالیار میں انتقال کرگیا(25)۔

مہر شکوہ 1048ھ میں پیدا ہوا اور چالیس روز بعد انتقال کرگیا(26)۔

داراشکوہ کا تیسرا بیٹا 1053ھ میں پیدا ہوا۔ شاہجہاں نے اس کا نام ممتاز شکوہ رکھا(27)۔

دارا شکوہ کی دوسری بیٹی کا نام پاک نہاد بانو بیگم تھا۔ وہ 1051ھ میں پیدا ہوئی(28)۔

داراشکوہ کا چوتھا بیٹا' سپہر شکوہ 1054ھ میں پیدا ہوا۔ جنگ اجمیر میں سپہر شکوہ اپنے باپ کے ہمراہ تھا۔ شکست کے بعد باپ سے جدا نہ ہوا۔ سپہر شکوہ کو بھی قید کر کے باپ کے ساتھ دہلی لائے۔ داراشکوہ کے قتل کے بعد اسے بھی قلعہ گوالیار بھیج دیا گیا(29)۔

مفتی غلام سرور چشتی نے "خزینتہ الاصفیاء" میں' جو دارا شکوہ کے قتل کے تقریباً دو سو سال بعد تحریر میں آئی' لکھا ہے (30) کہ دارا شکوہ کے قتل کے بعد اس کا ایک بیٹا کہ عمر اس کی نو سال تھی اورنگ زیب کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے حال پوچھا تو بچے نے فی البدیہہ کہا:

ہجر دارا بر دل من کم تر از یعقوب نیست
او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

(میرے لئے دارا کی جدائی یعقوب سے کم نہیں' ان کا بیٹا گم ہو گیا تھا اور میرا باپ گم ہو گیا ہے۔)

اورنگ زیب نے یہ کہہ کر اسے قتل کرا دیا کہ بھیڑیے کو مارنا اور اس کے بچے کی پرورش کرنا عقل مندوں کا کام نہیں۔ مفتی سرور نے اس لڑکے کا نام نہیں لکھا۔ لیکن اس کی یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ بادشاہ نامہ اور شاہجہاں نامہ کے مطابق' دارا شکوہ کے قتل کے وقت اس کے صرف دو بیٹے حیات تھے اور ان میں سے کسی کی عمر بھی نو سال کی نہ تھی۔ چھوٹے بیٹے سپہر شکوہ کی عمر پندرہ سال تھی اور اسے اپنے بڑے بھائی سلیمان شکوہ کے ساتھ گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا گیا تھا۔ مزید برآں محمد ساقی مستعد خاں نے ماثر عالمگیری میں لکھا ہے(31):

" 21 شوال 1083ھ کو قبلہ عالم (اورنگ زیب عالمگیر) نے اپنی دختر ثریا نقاب نواب زبدۃ النساء بیگم کو شہزادہ سپہر شکوہ کے عقد میں دیا۔ جہاں پناہ، قاضی عبدالوہاب، ملا محمد یعقوب، دریا خاں، بختاور خاں مجلس عقد میں شریک تھے۔ شہزادہ سپہر شکوہ کو خنجر مرصع، سرپیچ، مالائے مروارید اور سہرہ مروارید عطا کئے گئے۔ ملکہ تقدس ماب گوہر آرا بیگم اور حمیدہ بانو بیگم نے رسوم کتخدائی انجام دیں۔ چھ ہزار سالانہ شہزادہ سپہر شکوہ کا وظیفہ مقرر ہوا۔"

یہاں یہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اورنگ زیب کے اپنے باقی دو بھائیوں کے بارے میں کیا ارادے تھے۔ شاہجہاں کے نام اپنے خط میں وہ لکھتا ہے (32) کہ اب مجھے اس وقت تسلی ہوگی جب وہ دونوں فتنہ پرداز جو بار بار بے غیرتی کو اپنے سر لے چکے ہیں، فرار ہو کر ممالک محروسہ سے باہر ہو جائیں یا توفیق الٰہی سے گرفتار ہو کر اپنے (مقتول) بھائی کے پہلو میں بیٹھیں:

سر وارث ملک تا بر تن است
تن ملک را فتنہ پیراہن است

(جب تک ملک کے وارث کا سر (اس کے) جسم پر ہے، (اس وقت تک) فتنہ ملک کے جسم کے لئے پیراہن ہے۔)

# حوالے

1-دارا شکوہ' سفینتہ الاولیاء' مخطوطہ لاہور' نول کشور اڈیشن' 1884ء' صفحہ 117- ترجمہ: محمد علی لطفی' نفیس اکیڈمی کراچی' طبع ہفتم' مئی 1986ء- صفحہ 129- ملا عبدالحمید لاہوری' بادشاہ نامہ' ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال' کلکتہ- 1868ء- جلد اول صفحہ 391- محمد ہاشم خاں (خافی خاں) ' منتخب اللباب 'ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال' کلکتہ- 1869ء- جلد اول صفحہ 281- محمد صالح کنبو' عمل صالح الموسوم بہ شاہجہاں نامہ' جلد اول' مجلس ترقی ادب' 2 کلب روڈ' لاہور- طبع دوم جنوری 1967ء - صفحات 37'76- شاہنواز خاں' ماثر الامراء' ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال' کلکتہ' جلد اول 1888ء' صفحہ 159-

2- شاہجہاں نامہ' جلد سوم صفحہ 300-

3- دارا شکوہ' سکینتہ الاولیاء' مرتبہ سید محمد رضا جلالی نائینی و ڈاکٹر تارا چند' طبع تہران' صفحہ 59-

4- کالکا رانجن قانونگو' دارا شکوہ (بزبان انگریزی) طبع کلکتہ صفحہ 8-

5- شاہجہاں نامہ' جلد اول صفحہ 229- بادشاہ نامہ' جلد اول صفحہ 177- منتخب اللباب' جلد اول صفحہ 398-

6- دارا شکوہ' صفحہ 22-

7- دارا شکوہ صفحہ 38-

8- Francois Bernier, Travels in the Mughal Empire, Translated and annotated by A.Constable

and second edition revised by V.A.Smith,

OxfordUniversityPress,UK.page6

فرانسوا برنئے' سفر نامہ مغل سلطنت (ترجمہ بزبان انگریزی) ' آکسفورڈ یونیورسٹی پریس' برطانیہ' صفحہ 6-

9- حمیدالدین خاں' احکام عالمگیری' ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور' 1993' مع ترجمہ از خالد حسن قادری' صفحہ 128-

10-احکام عالمگیری' صفحہ 130

11- اورنگ زیب عالمگیر' رقعات عالمگیری ' مطبع منشی نول کشور' لکھنوَ-1924ء- صفحہ 19-

12-احکام عالمگیری' صفحہ 130-ماثر الامرا' صفحہ 790

13-احکام عالمگیری' صفحہ 128-

14- شیر محمد خاں لودھی' مرآۃ الخیال' کلکتہ 1831ء' صفحہ 258-

15- مرآۃ الخیال' صفحہ 214

16-بحوالہ شیخ محمد اکرم' رود کوثر' ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور-

17- سفرنامہ' صفحہ 26-

18- سفرنامہ' صفحہ 35-

19- محمد اورنگ زیب عالمگیر' رقعات عالمگیر' جلد اول' صفحہ 200, 204 مرتبہ و محشٰی: سید نجیب اشرف ندوی' مطبع معارف' اعظم گڑھ' انڈیا-

20-سفرنامہ' صفحات 46'57-

21- سکینتہ الاولیاء' مرتبہ سید محمد رضا جلالی نائینی و ڈاکٹر تاراچند' طبع تہران- مقدمہ شانزدہ-

22-سفرنامہ' صفحہ 98-

23- شاہجہاں نامہ' جلد سوم صفحہ 212

24- شاہجہاں نامہ، جلد دوم صفحہ 3

25- شاہجہاں نامہ، جلد دوم صفحات 67,80- جلد سوم صفحہ 263- اس کے علاوہ:
منتخب اللباب، جلد اول و جلد دوم۔

26- شاہجہاں نامہ، جلد دوم صفحہ 242- بادشاہ نامہ، جلد دوم صفحات 101,104

27- شاہجہاں نامہ، جلد دوم صفحہ 322- بادشاہ نامہ، جلد دوم صفحات 337,341-

28- بادشاہ نامہ، جلد دوم صفحہ 245-

29- شاہجہاں نامہ، جلد دوم صفحات 342,348- بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ 388-

30- مفتی غلام سرور چشتی، خزینۃ الاصفیاء، 1283ھ- صفحہ 163-

31- محمد ساقی مستعد خاں، ماثر عالمگیری، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ- 1871ء- صفحہ 125- ترجمہ: مولوی محمد فدا علی طالب، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول، اپریل 1962ء- صفحہ 139-

32- رقعات عالمگیر- صفحہ 218-

# حواشی

(ح 1) (i) ان میں سے دو بیٹیوں کے نام تھے: حور نساء بیگم اور جہاں آرا بیگم۔ حور نساء 8 صفر 1022ھ کو پیدا ہوئی اور 4 ربیع الثانی 1025ھ کو انتقال کر گئی۔ جہاں آرا 21 صفر 1023ھ کو پیدا ہوئی اور اس نے تقریباً 69 سال کی عمر میں رمضان 1092ھ میں وفات پائی۔

(ii) ارجمند بانو، جس کا خطاب ممتاز محل تھا، ملکہ نور جہاں کے بھائی یمین الدولہ آصف خاں کی بیٹی تھی۔ وہ شاہجہاں سے شادی کے 21 سال بعد 1040ھ میں انتقال کر گئی۔ آگرہ میں اس کی قبر کے گرد جو عمارت تعمیر کی گئی وہ تاج محل کہلاتی ہے اور دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتی ہے۔ تاج محل، 50 لاکھ روپے کے خرچ سے، 1052 میں مکمل ہوا۔

(iii) سکینۃ الاولیاء میں دارا شکوہ اپنی پیدائش کا یوں ذکر کرتا ہے:

ولادت ایں فقیر در خطہ اجمیر بالای ساگر تال روی دادہ، در سلخ صفر نصف شب روز دوشنبہ سال یک ہزار بست و چہار ہجری۔ چوں در خانہ والد ماجد فقیر سہ صبیہ شدہ بود و پسر نمی شد و سن مبارک آنحضرت بست و چہار سالگی رسیدہ بود و از روئی عقیدت و اخلاص کہ آنحضرت بہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی داشتند، بہزاراں نذر و نیاز درخواست پسر نمودند و ببرکت ایشاں حق تعالیٰ ایں کمترین بندۂ خود را بوجود آورد۔ امید کہ توفیق نیکو کاری و رضامندی خود و دوستان خود نصیب گرداند۔ آمین یارب آمین۔

(ح 3) "حضرت اخوند میرک شیخ کہ استاد علم ظاہر من اند و عالم و فاضل، در

زہد وورع و حق گوئی ایشاں راقدمی است نہایت استوار"

(ح 10) "رقعات عالم گیری" (صفحہ 20) میں یہ عبارت یوں درج ہے: ایک معتبر شخص کی زبانی یہ نقل ہم تک پہنچی ہے:

اعلیٰ حضرت (شاہجہاں) نے ایک روز علی مردان خاں اور سعد اللہ خاں کو خلوت خاص میں کہا: مہین پور (دارا شکوہ) شان و شوکت کے اسباب اور تجمل و آرائش کے سامان رکھتا ہے، لیکن وہ نیکوں کا دشمن اور بروں کا دوست واقع ہوا ہے:

با بداں نیک و بد بہ نیکاں است

شجاع میں صرف سیر چشمی کا وصف ہے۔ مراد مجہول الکیفیت ہے۔ کھانے پینے کا شوقین ہے۔ شراب میں ہمیشہ مست رہتا ہے۔ اورنگ زیب صاحب عزم اور مال اندیش ہے، اس حکومت کا بوجھ اٹھالے گا۔

(ح 11) دارا شکوہ سے یہ برداشت نہیں ہوتا تھا کہ شاہجہاں پر کسی کا اثر اس سے زیادہ ہو۔ چنانچہ وزیر اعظم سعد اللہ خاں کے بارے میں یہ احساس ہونے پر دارا شکوہ اس کے خلاف کچھ نہ کچھ کرتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ دارا شکوہ نے بادشاہ سے شکایت کی کہ سعد اللہ خاں نے ہمیں جو پرگنے دیئے وہ ویران و کم حاصل ہیں اور اپنے لئے چن چن کر اچھے علاقے رکھ لئے ہیں۔ سعد اللہ خاں کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے شہزادے کے وکیل کو بلا کر وہ تمام علاقے اپنی جاگیر میں شامل کر لئے جو شہزادے کے کارکنوں کی نالائقی کے باعث ویران ہو چکے تھے اور ان کے عوض اپنی جاگیر میں سے شہزادے کے وکیل کی مرضی کے مطابق اچھے اچھے علاقے شہزادے کی جاگیر میں شامل کر دیئے۔ ایک دو سال بعد معلوم ہوا کہ وہ آباد علاقے پہلے علاقوں سے بھی زیادہ ویران ہو گئے۔

(ترجمہ منتخب اللباب جلد دوم صفحہ 293-)

(ح 14) میر رضی دانش کی غزل یہ ہے (مرآۃ الخیال):

موسمِ آں شد کہ ابرے تر چمن پرور شود
نکہتِ گل مایہ شورِ جنوں در سر شود

تاک را سیراب ساز اے ابرِ نیساں در بہار
قطرہٗ تا مے تواند شد چرا گوہر شود

نالہ بلبل نہاں در پردہ برگِ گل است
بے دماغم کاش ازیں یک پردہ نازک تر شود

ما بذوقِ گریہ ہستی در ایں بزم آمدیم
مے بدہ ساقی بقدری آن کہ چشم تر شود

راز پوشیدن نیاید دانش از بیتابِ عشق
درمیانِ انجمن پروانہ خاکستر شود

(ح 22) فقہا کے فیصلے کے مطابق داراشکوہ الحاد و کفر پھیلانے کا مرتکب ہوا تھا۔ اس کو ذبح کردیا گیا اور ہاتھی کی عماری پر اس کی لاش کو شہر کے بازار اور چوک سے گزارا گیا۔ لوگ اس کی لاش کو دیکھ دیکھ کر بری طرح گریہ و زاری کررہے تھے۔ داراشکوہ کی لاش اس تشہیر کے بعد ہمایوں کے مقبرے میں لے جاکر دفن کردی گئی۔

(ترجمہ منتخب اللباب، جلد سوم، صفحہ 94)

☆ شاہجہاں نے اقتدار کی اس جنگ کے دوران ایک خط مہابت خاں صوبہ دار کابل کے نام بھی لکھا۔ اس خط کا ایک ٹکڑا درج ذیل ہے:

عقیدت کیش مہابت خاں کو معلوم ہونا چاہئے کہ زمانے کے ہاتھوں اس مغل

سلطنت کو کتنا بڑا نقصان پہنچا ہے۔ اب فرزند مظلوم شکست کھا کر لاہور چلا گیا ہے۔ اس آڑے وقت میں تم ہی ایک مخلص اور عقیدت مند ہو جو دنیا کے معمولی فائدوں کو خاطر میں لائے بغیر ننگ و ناموس کو سامنے رکھو گے۔

ہم تمہیں اپنا دردِ دل تحریر کر رہے ہیں اور تم سے مناسب تدارک کی امید رکھتے ہیں۔ دارا شکوہ عنقریب لاہور پہنچ جائے گا۔ لاہور میں خزانے کی کمی نہیں نیز آدمی اور گھوڑے کابل میں بکثرت ہیں۔ اس موقع پر مہابت خاں جیسا بہادر جس کی ہیبت سے زمانہ کانپتا ہے اگر شاہجہاں کی طرح گوشہ نشیں رہے تو تعجب ہے۔

مناسب یہ ہے کہ مہابت خاں ایسا بہادر آراستہ لشکر لے کر عزیمت کرے اور جلد لاہور پہنچ کر دارا شکوہ بابا کی رفاقت اور مدد کرے' اور ان دونوں (مراد اور اورنگ زیب) نا برخورداروں کو جزائے اعمال پر پہنچانے کی کوشش کرے اور صاحبقران ثانی (یعنی شاہجہاں) کو قید سے رہائی دلائے۔

(رقعات عالمگیر صفحہ 309)

☆ برنئے نے اپنی کتاب "سفرنامہ" میں ایک نئی داستاں مرتب کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شاہجہاں دارا سے خوش نہ تھا' اور وہ بیمار ہونے کے بعد اپنے آپ کو دارا کا قیدی سمجھتا تھا۔ شاہجہاں کو یہ خوف تھا کہ دارا اسے زہر دے کر ہلاک کر دے گا' چنانچہ وہ اپنے کھانے پینے کے معاملات میں بہت محتاط تھا۔ لیکن کہیں سے بھی اس بات کی تائید نہیں ہوتی۔ دراصل بعض اوقات برنئے افواہوں کو واقعات کا روپ دے کر تاریخ کو مسخ کر ڈالتا ہے۔ برنئے یہ بھی لکھتا ہے کہ دارا شکوہ کی شجاع اور اورنگ زیب و مراد سے جنگ کے وقت ' شاہجہاں اپنے جرنیلوں کو سمجھاتا رہا کہ جہاں تک ممکن ہو وہ جنگ سے گریز کریں اور صلح صفائی کی کوشش کریں۔ اس گومگو کی پالیسی کے اختیار کرنے سے آخر کار دارا شکوہ کو شکست ہوئی۔ مزید یہ کہ اگر سموگڑھ کی جنگ میں دارا شکوہ شاہجہاں کو میدان جنگ میں جانے دیتا تو مراد اور اورنگ زیب کے بہت سے امرا جنگ سے گریز کرتے کیونکہ

شاہجہاں تمام امرا میں بے حد مقبول تھا۔

برنیئے یہ بھی لکھتا ہے کہ دارا شکوہ اپنے نوجوان بیٹے سلیمان شکوہ کی بڑھتی ہوئی شہرت اور شجاعت سے خوف زدہ تھا اور اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں شاہجہاں اسے ہی بادشاہ نامزد نہ کردے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے سموگڑھ کی لڑائی میں شاہجہاں اور اس کے امرا کے بار بار کہنے کے باوجود سلیمان شکوہ کی واپسی کا انتظار کئے بغیر مراد، اورنگ زیب اتحاد سے جنگ چھیڑ دی اور ناکام رہا۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ جنگ میں شکست کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ شاہجہاں کے امرا دارا شکوہ سے خوش نہ تھے۔ اس نے امراء کے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہ کیا، کسی کو جوتیوں سے مارا، کسی کو مسخرہ کہا اور کسی کو گویا۔ وزیر اعظم سعداللہ خاں، امیر الامرا علی مردان خاں اور دیگر بڑے بڑے امرا سے اس کا رویہ نہایت قابل اعتراض تھا۔ وہ ان سے خوش خلقی سے بات کرنے کا روادار نہ تھا اور دھمکیوں پر اتر آتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سموگڑھ کی جنگ میں بہت سے امرا دل سے دارا شکوہ کے ساتھ نہ تھے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ عملی طور پر جنگ میں حصہ نہ لیا بلکہ دارا کو جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران بھی غلط مشورے دیتے رہے۔ جس کا نتیجہ دارا کی شکست کی صورت میں نکلا۔ اگر ہم دارا کی فوج، سازوسامان اور اہلیت کا اندازہ کریں تو اس کی شکست کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے دارا بذات خود بھی بہت پر اعتماد تھا، اور محاذ جنگ پر جاتے ہوئے اس نے شاہجہاں سے کہا تھا کہ میں بہت جلد مراد اور اورنگ زیب کو زنجیروں میں جکڑ کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا، لیکن اسے اس بات کا احساس نہیں تھا کہ اس کے تکبرانہ انداز سے اور بار بار اپنی ہتک ہونے پر امرا دل سے اس کے خلاف ہو چکے ہیں، اور میدان جنگ میں، اس کی توقعات کے برعکس، وہ عملی طور پر اس کا ساتھ نہیں دیں گے۔

☆ دارا شکوہ کے نام وزیر اعظم سعداللہ کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے (ناظر حسین زیدی (مرتب) ، مکتوبات سعداللہ خاں، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 1968- صفحہ 81) کہ دارا شکوہ کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ شاہجہاں اس سے

ناراض ہے۔ اس نے اس کا ذکر وزیر اعظم سے کیا، لیکن وزیر اعظم نے اپنے خط میں اسے یقین دلایا کہ یہ گمان غلط ہے۔ شہزادہ غمازوں اور سخن سازوں کی باتوں کا اعتبار نہ کرے۔ بادشاہ سلامت اس سے پوری طرح خوش ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دارا شکوہ کو بادشاہ کی ناراضی کا احساس کیوں کر ہوا؟ سوا تین سو سال سے زیادہ مدت گزر جانے کے بعد آج اس سوال کا جواب دینا بڑا مشکل ہے۔

قندھار
لاہور
ملتان
سری نگر
دادر
دہلی
بھکر
آگرہ
بنارس
کچھ
گجرات
احمد آباد

# دوسرا باب

## سفینتہ الاولیاء اور سکینتہ الاولیاء پر ایک نظر

دارا شکوہ کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی عمر سے اس کا رجحان تصوف کی طرف تھا۔ اس نے صوفیوں کی معروف تصانیف کا بہت دقیق اور گہرا مطالعہ کیا تھا۔ لیکن تصوف کے گہرے مطالعے اور مختلف مذاہب کے علما سے مسلسل رابطے اور بحث و مباحثہ کے بعد اس میں جو سوچ پیدا ہوئی وہ اس کو اس وادی میں لے گئی جس میں اسلام اور ہندو دھرم ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔

دارا شکوہ کی پہلی تصنیف "سفینتہ الاولیاء" ہے جو دارا شکوہ نے 25 سال کی عمر میں 27 رمضان 1049ھ/1639ء کو مکمل کی(1)۔ دارا شکوہ کے دل میں صوفیوں اور درویشوں کے لئے بہت احترام تھا۔ اسے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ معروف صوفیوں کے حالات زندگی کسی ایک کتاب میں نہیں ملتے۔ ان کی ولادت اور وفات کی تاریخیں معیاری کتابوں، مثلاً- نفحات الانس، تاریخ یافیہ اور طبقات سلطانیہ میں موجود نہیں۔ چنانچہ اس نے یہ کتاب لکھی۔ اس کتاب کا مقصد تمام مسالک کے صوفیوں کے احوال و فضائل کے علاوہ ان کی تواریخ وفات درج کرنا ہے۔ تقریباً دو سو صفحے کی کتاب میں رسول اللہ، ازواج مطہرات، خلفائے راشدین، اماموں اور صوفیوں سمیت چار سو سے زائد شخصیتوں کے حالات دیئے گئے ہیں۔ اس تصنیف میں دارا شکوہ اپنے آپ کو حنفی، قادری لکھتا ہے، یعنی امام ابو حنیفہؒ کا پیروکار اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سلسلے کا ایک فرد، اور اس خیال کا

اظہار کرتا ہے کہ ان صوفیوں اور بزرگوں کے طفیل جن کی زندگیوں کا حال اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اس کا مستقبل روشن ہو گا۔ یہ کتاب پہلی دفعہ 1269ھ/1852ء میں آگرہ میں طبع ہوئی۔ پھر 1872ء میں لکھنؤ سے اور 1884ء میں کانپور سے اس کے ایڈیشن شائع ہوئے۔ اب یہ کتاب بہ تصحیح آقا سید محمد رضا جلالی نائینی تہران میں بھی طبع ہو چکی ہے۔

یہ کتاب شہزادہ دارا شکوہ نے عنفوان شباب میں لکھی تھی لیکن اسے پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو روحانی دنیا کا بھی شہزادہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ چار بزرگ سفید لباس میں ایک دوسرے کے پیچھے جا رہے ہیں۔ کسی سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جواب ملا کہ پیغمبرؐ کے چار دوست (خلفائے راشدین) ہیں۔ دارا شکوہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ یہ سب حضرات ایک دریا سے گزر کر ایک بہت بلند پہاڑ پر پہنچے اور برابر کھڑے ہو گئے۔ دارا شکوہ نے باری باری ان سب کو سلام کہا اور فاتحہ کی درخواست کی۔ سب نے سلام کا جواب دیا اور علیحدہ علیحدہ فاتحہ پڑھی۔ پھر دارا شکوہ کو عنایات خصوصی کے ساتھ رخصت کیا۔ دارا اس خواب کو اپنے نصیب کی بیداری جانتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ ایسے گراں قدر عطیہ سے مشرف ہوا۔

حکیم سنائی کی بات کرتے ہوئے سنی مذہب سے اپنی عقیدت کا اظہار یوں کرتا ہے۔ "حدیقہ سنائی میں بعض نامعقول اشعار سننے پر میرے دل میں شک پیدا ہوا۔ چنانچہ جس دن میں غزنی آیا تو اپنے دل میں طے کیا کہ حکیم سنائی کے علاوہ باقی سب اکابر کی زیارت کے لئے جاؤں گا۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ میں غزنی کے مشائخ کے مزارات کی زیارت کر رہا ہوں اور ایک شخص کہتا ہے کہ یہ حکیم سنائی کا مزار ہے۔ وہاں پہنچا تو سنگ سفید کی ایک قبر دیکھی جس پر ھذا قبر حکیم سنائی لکھا تھا' اور اس میں شبہ ہے کہ سنی لکھا ہوا ہے یا نہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ حکیم سنی ہیں۔ جب صبح ان کی قبر پر حاضر ہوا تو جس طرح خواب میں دیکھا تھا ان کی قبر سنگ سفید کی تھی۔ یقین ہوا کہ وہ اشعار الحاقی ہیں۔"

ان مختصر سوانحی خاکوں کا اہم پہلو اسلوب نگارش کی سادگی ہے۔ یہ بھی اندازہ کیجئے کہ اس زمانے میں جب تحقیقی مواد اکٹھا کرنے کے جدید ذرائع میسر نہ تھے، تواریخ وفات کو اکٹھا کرنا کتنا مشکل اور وقت طلب کام تھا۔ شہزادہ دارا شکوہ نے پتہ مار کر کام کیا اور اس کے لئے وہ تعریف کا مستحق ہے۔

"سکینتہ الاولیاء" دارا شکوہ کی دوسری کتاب ہے(2)۔ یہ اس نے 1052ھ/1642ء میں لکھنی شروع کی جب اس کی عمر صرف 28 سال تھی، اور 1058ھ تک اس میں اضافے ہوتے رہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر سلسلہ قادریہ کے میاں میرؒ (جن کو میاں جیو بھی کہتے ہیں) اور ان کے مرید اور دارا شکوہ کے پیرو مرشد ملا شاہ (جنہیں لسان اللہ بھی کہتے ہیں) کے سوانح ہیں۔ مزید بر آں جہاں ان دونوں صوفیان کرام سے بے پناہ عقیدت کا اظہار ہے وہاں تھوڑا سا ذکر میاں میرؒ کے مریدوں کا بھی ہے۔ اور بہت سی خودستائی بھی ہے۔ چنانچہ دارا شکوہ کہتا ہے کہ 25 سال کی عمر میں جب وہ سو رہا تھا تو ہاتف غیب کی صدا آئی اور چار بار اس کی تکرار ہوئی کہ "جو بات روئے زمین کے بادشاہوں کو میسر نہیں آئی، وہ خداوند تعالٰی نے تمہیں عطا کی۔" پھر لکھتا ہے کہ "جو بات کسی طالب کو سالہا سال کی ریاضت و مجاہدہ میں حاصل ہوتی ہے وہ مجھے بغیر ریاضت کے مل گئی۔ دونوں جہانوں کی محبت یکبارگی میرے دل سے نکل گئی اور فضل و رحمت کے دروازے مجھ پر کھل گئے۔"

دارا شکوہ نے اس کتاب میں نہ صرف میاں میرؒ اور ملا شاہ کے حالات لکھے ہیں بلکہ ان سے اپنے تعلقات کو بھی بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف کے نقطہ نظر سے مختلف مسائل پر بحث کی ہے، مثلاً سماع کی خواہش، روحانی معلم کی ضرورت، شیخ کی طلب، رویت باری تعالٰی۔

میاں میرؒ کا اصل نام میر محمد تھا۔ وہ سندھ کے شہر سہوان میں پیدا ہوئے۔ سات سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ لیکن علوم آپ نے اچھی طرح حاصل کئے۔ اس کے بعد شیخ سیوستانی کے مرید ہوئے۔ 25 سال کی عمر میں لاہور آئے اور یہاں

ریاضت و عبادت اور تلقین و ہدایت شروع کی۔ آپ کی وفات 1045ھ میں ہوئی اور لاہور سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں دفن ہوئے جواب میاں میر کہلاتا ہے۔

اس کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہاں میاں میرؒ سے دو دفعہ ملنے گیا۔ پہلی ملاقات 17 شوال 1043ھ کو اس وقت ہوئی جب دارا شکوہ بیمار ہوا اور بیماری نے چار ماہ تک طول پکڑا۔ طبیب عاجز آگئے اور بظاہر صحت کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ تب بادشاہ اسے میاں میرؒ کے پاس لے گئے کہ اس کی صحت کے لئے دعا کریں۔ میاں میرؒ نے اپنے مٹی کے پیالے کو پانی سے بھر کر اس پر دعا پڑھی اور پانی پینے کے لئے پیالہ دارا کو دیا۔ پانی پینے کے ایک ہفتہ بعد دارا کی بیماری جاتی رہی۔ چنانچہ میاں میرؒ پر اس کا اعتقاد ہو گیا۔

دوسری مرتبہ بادشاہ، دارا شکوہ کو ساتھ لے کر، 8 رجب 1044ھ کو میاں میرؒ کے ہاں گئے۔ بہت لطیف اور خوشگوار باتیں ہوئیں۔ دارا شکوہ ان کا اس حد تک معتقد ہو گیا تھا کہ وہ برہنہ پا ان کے کمرے کی طرف گیا اور جب بادشاہ سے باتیں کرتے ہوئے وہ لونگ چباتے اور پھینک دیتے تو دارا کمال اخلاص سے انہیں اٹھا کر کھا لیتا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اسی برکت سے اس کی زبان کو قوت بیان حاصل ہوئی اور طبیعت موزوں ہو گئی۔ میاں میرؒ بھی دارا کو عزیز رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ "وہ ہماری جان اور ہمارا نور بصر ہے"۔ دارا شکوہ راوی ہے کہ بعد میں شاہجہاں بادشاہ نے ہمیشہ میاں میرؒ کی تعریف کی۔

میاں میرؒ کی عظمت کا احساس دلانے کے لئے دارا شکوہ مزید لکھتا ہے کہ اگرچہ جہانگیر بادشاہ اولیاء اور درویشوں پر اعتقاد نہ رکھتے تھے بلکہ ان کو تکلیف پہنچاتے۔ انہوں نے میاں میرؒ کو بڑی عزت سے بلایا اور خلاف عادت ان کی بدرجہ کمال تعظیم کی۔ کچھ عرصہ شاہ و درویش اکٹھے رہے اور باتیں ہوتی رہیں۔ میاں میرؒ نے انہیں پند و نصیحت کی جس کا بادشاہ کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ کہنے لگے، سلطنت، جاہ و حشمت، مال و جواہر، جو کچھ میرے پاس موجود ہے میری نظر میں سنگ و خس کے برابر ہے۔ میاں میرؒ نے

کہا: "صوفی کامل وہ ہوتا ہے جس کی نظر میں مال و جواہر سنگ و خس کے برابر ہو۔ اب جو یہ آپ کی نظر میں یکساں ہیں تو یہ آپ کے کامل صوفی ہونے کی دلیل ہے۔" مزید کہا کہ آپ کے عدل کی برکت سے ہندوستان میں فقراء بھی تسلی سے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ اس لئے اس وقت ہندوستان کو آپ جیسے پاسباں کی ضرورت ہے۔ دارا شکوہ لکھتا ہے کہ بادشاہ کو ان کی باتیں بہت پسند آئیں۔ اور کیوں نہ آتیں؟

میاں میرؒ سماع سے بھی شغف رکھتے تھے۔ ہندی راگ کو خوب سمجھتے تھے اور اسے بہت پسند کرتے تھے۔ قوال آتے تو ان سے گانا سنتے لیکن نہ وجد میں آتے نہ رقص کرتے۔ محفل سماع میں نہ کوئی حرکت صادر ہوتی نہ ہاتھ اٹھاتے۔

سماع کے بارے میں ابوبکر مصری کے حوالے سے دارا شکوہ نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک محفل سماع میں وہ حضرت جنید بغدادیؒ اور ابوالحسن نوریؒ کے ساتھ تھے۔ قوالی ہو رہی تھی۔ ابوالحسن نوریؒ کھڑے ہوئے اور رقص کرنے لگے۔ حضرت جنیدؒ بیٹھے رہے، نوریؒ ان کے پاس آئے اور کہا کہ اٹھو! اور یہ آیت پڑھی۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ (سورہ انعام، 36:6)

(تمہاری دعوت کا وہی جواب دے سکتے ہیں جو تمہاری پکار سنتے ہیں)۔

حضرت جنیدؒ ایک ذہین اور حاضر جواب صوفی تھے۔ انہوں نے ابوالحسن نوریؒ کے جواب میں فوراً یہ آیت پڑھی:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (سورہ نمل، 88:27)

(اور تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے تو انہیں (اپنی جگہ) جما ہوا خیال کرتا ہے اور وہ (قیامت کے دن) بادلوں کی طرح چلیں گے (اڑتے پھریں گے)۔

مطلب یہ تھا کہ ہم تو جھوم رہے ہیں لیکن تمہیں اس کا اندازہ نہیں۔

اس موقعہ پر مولانا ابوالکلام آزاد کی زبانی مسلمانوں میں روح عمل کے فقدان پر ایک علمی حقیقت کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ عبدالمجید سالک راوی ہیں(3) کہ ایک دن تصوف پہ گفتگو کرتے ہوئے مولانا کہنے لگے کہ تصوف کی کتابوں اور اولیاء کے تذکروں میں اس قسم کے واقعات اکثر نظر سے گزرتے ہیں کہ ایک بزرگ (خواجہ قطب الدین کاکی ؒ) محفل سماع میں بیٹھے تھے۔ مطرب نے (شیخ احمد جام کا) یہ شعر پڑھا:

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

(تسلیم و رضا کے خنجر سے قتل ہونے والوں کے لئے ہر دور میں غیب سے نئی زندگی ہے)

حضرت نے سن کر نعرہ لگایا اور بے ہوش ہو گئے۔

ایک اور بزرگ حضرت بایزید بسطامی ؒ بازار میں جا رہے تھے۔ شام کا وقت تھا، ایک امرود فروش کی ٹوکری میں صرف ایک امرود باقی رہ گیا تھا اور وہ اسے اٹھا کر صدا لگا رہا تھا: لم یبقی الا الواحد، لم یبقی الا الواحد (سوائے ایک کے کچھ بھی باقی نہیں)۔ حضرت بسطامی ؒ نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔

اور حضرت فلاں نے ایک طوائف کو تائب ہونے کی تلقین کی تو اس نے یہ شعر پڑھا:

در کوئے نیک نامی، ما را گزر ندادند
گر تو نمی پسندی، تغییر کن قضا را

(انہوں نے ہمیں نیک نامی کے کوچے سے گزرنے نہیں دیا، اگر تجھے پسند نہیں تو تقدیر کو بدل

دے)

حضرت نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔

پھر مولانا ابوالکلام نے کہا کہ ایک زمانہ تھا کہ مسلمان نعرہ مارتا تھا تو دشمن بے ہوش ہو جاتے تھے۔ پھر ایسا زمانہ آیا کہ مسلمان خود ہی نعرہ مارتا تھا اور خود ہی بے ہوش ہو جاتا تھا۔

داراشکوہ نے میاں میرؒ کی کئی کرامات بھی بیان کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ میاں میرؒ نے بتایا کہ چار فقیر پہاڑوں میں سفر کر رہے تھے' تین دن انہیں کھانے پینے کو کچھ میسر نہ آسکا۔ تب ان میں سے ایک نے کہا' میں آگے چل کر کوئی چیز حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں' تم آہستہ آہستہ چلے آؤ۔ وہ فقیر تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے راستے میں پھلوں سے لدا ہوا ایک درخت دیکھا جس کی شاخیں پھل کے بوجھ سے جھک کر زمین تک آرہی تھیں۔ درخت کے نیچے ٹھنڈے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ فقیر درخت کے نیچے آئے۔ حسب خواہش پھل کھایا' پانی پیا اور کہنے لگے کہ اس جیسا پھل دنیا میں اور کوئی نہیں' شاید یہ بہشت کا میوہ ہے۔ انہوں نے ساتھی کا حصہ لے لیا اور وہاں سے چل پڑے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ وہ ساتھی ان سے آملا جو خوراک کا بندوبست کرنے کے لئے گیا تھا۔ وہ بولے افسوس! تم موجود نہ تھے۔ ہمیں میوے سے بھرا ہوا درخت اور بہتا پانی میسر آیا۔ تمہارا حصہ ہم ساتھ لے آئے ہیں۔ اس نے جواب دیا' مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ پھر میاں میرؒ کہنے لگے: "بابا! وہ درخت' وہ میوہ' وہ چشمہ' وہی فقیر تو تھا جو خوراک کی تلاش میں نکلا تھا۔" داراشکوہ اپنے ایک ساتھی کی زبانی کہتا ہے کہ وہ فقیر دراصل میاں میرؒ ہی تو تھے:

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

(عقل حیرت زدہ ہو گئی کہ یہ کیا عجیب بات ہے۔)

داراشکوہ کی زبانی میاں میرؒ کی ایک اور کرامت بھی سن لیجئے:

ایک دن میاں میرؒ باغ میں مشغول ذکر تھے۔ ایک فاختہ درخت کی شاخ پر بیٹھی چہک رہی تھی۔ دفعتہً ایک شخص آیا۔ فاختہ کا شکار کرنے کے لئے اس نے غلہ پھینکا' جو فاختہ کے جالگا۔ وہ درخت سے نیچے آگری اور مرگئی۔ اس شخص کو اتنی مہلت ہی نہ ملی کہ اسے ذبح کرتا۔ فاختہ وہیں چھوڑ کر' وہ شخص چلا گیا۔ میاں میرؒ بہت آزردہ ہوئے اور اپنے ایک مرید سے کہا۔ "جا اور فاختہ کو اٹھالا۔" وہ مردہ فاختہ کو آپ کے پاس لے آیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس پر پھیرا تو وہ فوراً زندہ ہو کر اڑ گئی اور اسی شاخ پر جا بیٹھی۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ ایک گلی میں چوہا مرا پڑا تھا۔ اس میں سے سڑاند آتی تھی۔ میاں میرؒ کے ایک مرید میاں نتھا نے کہا' اے مردار! اٹھ اور جا۔ چوہا اسی وقت اٹھا اور چل پڑا۔ میاں میرؒ کو یہ بات ناگوار گزری اور میاں نتھا کو اس قسم کی باتوں سے منع کیا۔ داراشکوہ لکھتا ہے کہ منع کرنے کا سبب یہ تھا کہ کہیں اس واقعہ کی شہرت نہ ہو جائے اور آفت کا سبب نہ بنے۔

یعنی داراشکوہ کے اپنے بیان کے مطابق میاں میر صاحب خود تو مردہ کو زندہ کر دیتے تھے لیکن اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کا مرید بھی یہ کام کرے۔

یاد رہے کہ میاں میرؒ کی اپنی ایسی کوئی تحریر نہیں ملتی جس سے ان روایات کی تصدیق ہو سکے۔

ان واقعات کو پڑھ کر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ داراشکوہ کی سوچ کن خطوط پر استوار ہو رہی تھی۔

1635ء میں جب شاہجہاں لاہور میں قیام پذیر تھا تو داراشکوہ میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا۔ لیکن داراشکوہ کو ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا موقعہ نہ ملا کیونکہ اسی سال میاں میر صاحب کا انتقال ہو گیا۔

1050ھ / 1640ء میں داراشکوہ نے میاں میرؒ کے ایک مرید اور قادری

سلسلے کے ایک شیخ ملا شاہ بدخشانی کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ ان کا نام شاہ محمد تھا۔ اور ان کے دوست اور معتقدین انہیں "حضرت اخوند" کہتے تھے۔ دارا شکوہ سے ان کی پہلی ملاقات کشمیر میں ہوئی۔ وہیں پر وہ ان سے بیعت ہوا۔ انہوں نے بدرجہ کمال اس کی تربیت کی' ذکر الٰہی میں مشغول کیا اور بقول اس کے جو کچھ وہ چاہتا تھا' وہ اسے تھوڑے ہی عرصے میں ان کی صحبت' خدمت اور ارشاد کی برکت سے میسر آگیا۔ ملا شاہ نے دارا شکوہ کو اس بات کی بھی تلقین کی کہ وہ ارشاد و ہدایت بھی کرے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دارا کو اس کی ہمت نہ ہوئی اور کچھ دیر کے لئے اس نے حوصلہ کیا بھی تو بات آگے نہ چلی۔

ملا شاہ دارا شکوہ پر بہت شفقت فرماتے تھے کہ جس وقت بھی وہ ان کے پاس جاتا یا پھر وہاں سے رخصت ہوتا تو ملا شاہ کھڑے ہو کر تواضع کرتے۔

ملا شاہ نے دارا شکوہ کے لئے ایک غزل بھی لکھی ہے اس کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

اے بے خبر ز عالم راز نہان دل<br>
روزے شود ترا کہ شوی ہم زبان دل<br>
صاحبقران اول و ثانی قرین چیست<br>
دارا شکوہ ما شدہ صاحبقران دل

(اے دل کے مخفی رازوں کی دنیا سے بے خبر' تجھے کوئی ایسا دن بھی نصیب ہو کہ تو دل کا ہم زباں ہو جائے۔ صاحبقران اول اور صاحبقران ثانی کس کے قریب ہیں۔ ہمارا دارا شکوہ تو صاحبقران دل ہے۔)

جس سال دارا شکوہ قندھار کی مہم کی طرف متوجہ ہوا' تو والئی ایران نے چاہا کہ جنگ کرے۔ ملا شاہ نے اپنے ہاتھ سے یہ تحریر کیا۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (سورہ انفال' 8:17)

(اور (اے پیغمبر) جب تم نے (میدان جنگ میں مٹھی بھر کر خاک) پھینکی تو حقیقت یہ ہے کہ تم نے نہیں پھینکی تھی' خدا نے پھینکی تھی)

دارا شکوہ لکھتا ہے کہ اسی مہینے لوگوں نے زہر دے کر والئی ایران کو مار دیا۔ یاد رہے کہ آخر کار دارا شکوہ کی قندھار کی مہم ناکام ہو گئی تھی!

دارا شکوہ لکھتا ہے کہ اس کے مرشد ملا شاہ تیس سال سے دن رات میں ایک لمحہ اور ایک لحظہ بھی نہیں سوئے۔ ہمیشہ بیدار رہتے ہیں لیکن اس نے ان کی آنکھوں میں کبھی تھکاوٹ یا خواب کے آثار نہیں دیکھے بلکہ کمال ترو تازگی اور شگفتگی ان کے چہرے سے ظاہر ہوتی ہے۔ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (سورہ بقر' 255:2) (اس کی آنکھ کے لئے نہ تو اونگھ ہے نہ دماغ کے لئے نیند) کی صفت میں نے ان میں مشاہدہ کی۔ قرآن مجید میں یہ اللہ تعالٰی کی صفت بیان کی گئی ہے۔ لیکن دارا شکوہ یہ کہہ کر کہ "جب صوفی حق تعالٰی میں گم اور پنہاں ہو جاتا ہے تو یقیناً- حق تعالٰی کی صفت اس میں ظاہر ہوتی ہے" اسے اپنے پیر کی صفت ٹھہراتا ہے۔ یاد رہے کہ اسی کتاب میں ملا شاہ کی زبانی یہ بات کہی گئی ہے: " تیس سال سے زیادہ مدت گزری ہے کہ میں گھڑی بھر کو نہیں سویا۔ ایک دو سال ہوئے ہیں کہ میں ٹانگیں دراز کرتا ہوں اور زمین پر لیٹ جاتا ہوں لیکن نیند قطعاً- نہیں آتی۔ تمنا ہی رہتی ہے کہ گھڑی بھر کو نیند آجائے مگر یہ میسر نہیں۔" یعنی ملا شاہ تو سالہا سال سے تڑپ رہے ہیں کہ گھڑی بھر کے لئے ہی نیند آجائے کہ اللہ تعالٰی کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے لیکن نیند ان کی آنکھوں میں نہیں اترتی۔ مگر دارا شکوہ اپنے مرشد کی اس پریشانی پر فکر مند ہونے کی بجائے ان کی اس حالت کو اللہ کی ایک صفت سے جا ملاتا ہے۔

ملا شاہ کے بارے میں دارا شکوہ یہ بھی لکھتا ہے کہ شروع میں وہ سات سال تک عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد صبح تک حبس دم کرتے اور ذکر خفی میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن انہوں نے بتایا کہ قادری مسلک میں. حبس دم کا طریقہ ایسا ہے جو اور کسی مسلک میں نہیں۔ مجھے میاں میرؒ نے یہ طریقہ سکھایا۔ عشاء کی نماز کے بعد میں صبح تک دو

سانسوں میں رات گزارتا تھا۔ کبھی یہ حالت ہو جاتی کہ نفس منقطع ہونے لگتا، لیکن حق تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا۔ یاد رہے کہ حبس دم میں ہندو یوگیوں کو بھی بے حد مہارت ہے۔ انہوں نے اپنی مشق یہاں تک بڑھائی ہے کہ وہ کئی کئی دن تک سانس لئے بغیر زندہ رہ لیتے ہیں۔

"سکینتہ الاولیاء" کے مطالعے سے چند اور باتیں بھی سامنے آتی ہیں:

قرآن یہ بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰ جب طور پر گئے تو انہیں حکم ہوا کہ

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ج (سورہ طٰہٰ، 12:20)

(پس اپنی جوتی اتار دے)

دارا شکوہ یہ کہتا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب معراج ہوا تو ارشاد ہوا:

"لا تخلع نعلیک"

(اپنا جوتا نہ اتارو)

یہ آخری عربی عبارت نہ قرآن میں ہے نہ کسی حدیث میں۔

ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اولیای تحت قبای لا یعرفھم غیری الا اولیای

(میرے اولیاء میری قبا میں پوشیدہ ہیں کوئی انہیں میرے سوائے نہیں پہچانتا، ہاں مگر میری توفیق سے)

یہ عبارت قرآن میں تو نہیں ہے اور اس کا کوئی دوسرا حوالہ بھی نہیں۔

دارا شکوہ ایک جگہ لکھتا ہے: اولیاء کو موت کے بعد ترقی ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ حق تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (سورہ بقرہ' 154:2)

(اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں تو یہ مت کہو کہ مردے ہیں۔ نہیں وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔)

حالانکہ یہ آیت کریمہ تو صرف ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے۔

دارا شکوہ لکھتا ہے کہ میاں میرؒ نے اسے بتایا کہ ایک دفعہ ایک شخص ان کے لئے کھانا لایا۔ جب وہ اور ان کا بھائی کھانا شروع کرنے لگے تو اس شخص کو بھی کھانے کو کہا۔ لیکن اس نے معذرت کی اور کہا کہ وہ روزے سے ہے۔ وہ کھانا کھا چکے تو اس نے خالی برتن اٹھائے اور سلام کرکے رخصت ہوا۔ اس کے چلے جانے کے بعد میاں میرؒ سوچتے رہے۔ آخر معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ تھا۔ لیجئے پہلی دفعہ پتہ چلا کہ فرشتے بھی روزے رکھتے ہیں۔ یعنی کھاتے پیتے بھی ہیں۔ کیونکہ اگر کھاتے پیتے نہیں تو روزہ رکھنا چہ معنی دارد؟

دارا شکوہ کی ان جراتوں پر حیرانی ہوتی ہے۔

مسئلہ رویت حق ایک مشہور مسئلہ ہے۔ معتزلہ کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ اس دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں۔ دارا شکوہ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں اور آخرت میں بھی ممکن ہے۔ لیکن جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار صرف آخرت میں ممکن ہے۔ حضرت موسیٰؑ ایک پیغمبر تھے۔ جب انہوں نے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ط(سورۂ اعراف '143:7)

(پروردگارا مجھے اپنا جمال دکھا کہ تیری طرف نگاہ کر سکوں)

تو جواب ملا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔

لَنْ تَرٰنِیْ (سورہ اعراف '143:7)

(تو مجھے کبھی نہ دیکھ سکے گا)

ابوالکلام آزاد "ترجمان القرآن" میں لکھتے ہیں (4) کہ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ انسان اپنے حواس کے ذریعے ذات باری کا مشاہدہ و ادراک نہیں کر سکتا اور اس راہ میں معرفت کی انتہا یہ ہے کہ عجز و نارسائی کا اعتراف کیا جائے۔ یہودیوں نے تورات کے متشابہات کو حقیقت پر محمول کر لیا تھا اور سمجھتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ نے خدا کی تشبیہ دیکھی (خروج '9:24)۔ قرآن نے اس غلطی کا ازالہ کر دیا۔ فرمایا جب خدا نے موسیٰؑ سے کلام کیا تو اس نے کہا کہ میرے سامنے آ جا کہ ایک نگاہ دیکھ لوں۔ یعنی جب غیب سے ندائے حق سنی تو جوش طلب میں بے خود ہو گئے اور لذت مشاہدہ کے حصول کا ولولہ پیدا ہو گیا۔ حکم ہوا پہاڑ کو دیکھ۔ اگر یہ تاب لا سکا تو تو بھی تاب لا سکے گا۔ یعنی جو بات نظارے سے مانع ہے وہ خود تیری ہی ہستی کا عجز ہے۔ یہ بات نہیں کہ نمود حق میں کمی ہو۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر حضرت موسیٰؑ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کر سکتے تھے تو عام آدمی کی کیا حیثیت ہے' سورۂ شوریٰ میں تو یہ بات پوری نوع انسانی کے لئے کہہ دی:

وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ (سورہ شوریٰ '51:42)

(اور کسی بشر کو (مجال) نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے، مگر وحی (اشارے) سے یا پردہ کے پیچھے سے، یا وہ کوئی فرشتہ بھیجے، پس وہ اس کے حکم سے جو (اللہ) چاہے وہ وحی کرے (پیغام پہنچادے))

قرآن حکیم کی ایک اور آیت میں بھی یہ آیا ہے کہ انسان خدا کو نہیں دیکھ سکتا:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ○ (سورہ انعام، 103:6)

(اسے نگاہیں نہیں پاسکتیں لیکن وہ تمام نگاہوں کو پارہا ہے، وہ بڑا ہی باریک بیں اور آگاہ ہے)

دارا شکوہ اس بات کا قائل ہے کہ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے اور نہ صرف پیغمبر بلکہ اولیاء کرام بھی اسے دیکھ سکتے ہیں۔ دراصل وہ صفات حق کو حق سے جدا مانتا ہے۔ اس لئے خود ہی یہ سوچ کر کہ جب حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ملا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا، تو اولیائے کرام کے لئے رویت حق کس طرح ممکن ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ تو اس ذات پاک کو بغیر صفات دیکھنا چاہتے تھے، کیونکہ ذات محض غیر متعین ہے، اس لئے اسے دیکھنا ممکن نہیں، البتہ مع صفات کے اسے انسانی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اگر یہ بات صحیح بھی ہوتی تو کیا اللہ تعالیٰ خود ہی حضرت موسیٰؑ کو یہ نہ کہہ دیتے کہ تم مجھے صفات کے ساتھ دیکھ سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت موسیٰؑ ہی نہیں تمام بنی نوع انسان کو بتادیا کہ تم مجھے (اس دنیا میں) نہیں دیکھ سکتے لیکن دارا شکوہ اپنی مرضی کے مطابق تاویلیں کرنے کی کوشش کررہا ہے۔

مندرجہ بالا تجزیہ سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ دارا شکوہ کی اکثر باتیں اسلام کی تعلیم سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

# حوالے

1-دارا شکوہ، سفینتہ الاولیاء، مخطوطہ لاہور، نول کشور اڈیشن، 1884ء۔ ترجمہ: محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی کراچی، طبع ہفتم، مئی 1986ء۔

2- دارا شکوہ، سکینتہ الاولیاء، مرتبہ سید محمد رضا جلالی نائینی و ڈاکٹر تارا چند، طبع تہران۔ ترجمہ: مرزا مقبول بیگ بدخشانی، پیکیجز لمیٹڈ، لاہور۔

3- عبدالمجید سالک، یاران کہن، مطبوعات چٹان، لاہور۔ صفحہ 53۔

4- ابوالکلام احمد، ترجمان القرآن، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ جلد دوم، صفحہ 74۔

# حواشی

☆ قرآن مجید کی آیات کا اردو ترجمہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کے "ترجمان القرآن" سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ تفسیر نامکمل ہے اس لئے سورہ مومنون کے بعد کی آیات کا اردو ترجمہ حافظ نذر احمد کے "آسان ترجمہ قرآن مجید" سے لیا گیا ہے۔ تفسیر کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کے "ترجمان القرآن" سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆ حضرت سلمان فارسیؓ کی وفات 33ھ میں ہوئی۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے 150 سال کی عمر پائی۔ دوسرے قول کے مطابق وہ 350 برس زندہ رہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے 250 برس کی عمر پا کر انتقال کیا۔ داراشکوہ کا خیال ہے کہ یہ آخری روایت ہی صحیح ہے۔

☆ شیخ معروف کرخیؒ (وفات: 200ھ) کو داراشکوہ نے قادری سلسلے میں شمار کیا ہے، اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ شیخ عبدالقادرؒ (وفات: 561ھ) سے پہلے اسے جنیدی سلسلہ کہتے تھے تو شیخ معروف کرخیؒ، شیخ جنیدؒ (ولادت: 215ھ) کی ولادت سے 15 سال پیشتر انتقال کرچکے تھے۔

☆ شیخ ابو عمر عثمان کو یقینی کہا ہے جب کہ نفحات الانس میں اسے صر-مغینی کہا گیا ہے۔

☆ خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ سلسلہ چشتیہ کے بانی تھے۔ ان کی وفات 355ھ میں ہوئی۔ دارا شکوہ نے سلطان ابراہیم ادھمؒ کو جن کی وفات' ان کے انتقال سے 193 سال پہلے' 162ھ میں ہوئی' سلسلہ چشتیہ میں شمار کیا ہے۔

☆ شیخ جنیدؒ کا سن ولادت یوسف سلیم چشتی کی تاریخ تصوف (علما اکیڈمی' محکمہ اوقاف پنجاب' لاہور۔ 1976ء۔ صفحہ 205۔) سے لیا گیا ہے' باقی تاریخیں اور نام بکرماجیت حسرت کی کتاب دارا شکوہ (بزبان انگریزی۔ منشی رام منوہر لال پبلشرز' نیو دہلی' طبع دوم 1982ء) سے۔

☆ سفینتہ الاولیاء میں دارا شکوہ خلفائے راشدین سے خواب میں اپنی ملاقات کے بارے میں یوں لکھتا ہے:

وایں فقیر در خواب .سعادت ملازمت خلفائی راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین' مشرف گشتہ' چنانچہ شبی در خواب می بیند کہ چہار کس بہ لباس سپید بزرگانہ متعاقب یکدیگر میروند۔ فقیراز شخصی پرسید کہ ایںہا چہ کسانند؟ گفت: چہار یار پیغمبر صلعم۔ فقیراز عقب ایشان رواں گشت' ایشان از دریا گزشتہ برکوہی کہ بسیار بلند بود برآمدند و برابر ہم استادند۔ فقیر پیش رفتہ اول بخدمت صدیق اکبر گفت السلام علیکم یا صدیق اکبر۔ در جواب فرمودند وعلیکم السلام۔ گفتم التماس فاتحہ دارم: فاتحہ خواندند' بعدازاں ہمیں روش بخدمت حضرت فاروق اعظم و سلام گفتہ التماس فاتحہ نمودم۔ ایشان نیز خواندند' دبار ہمیں طور بخدمت عثمان ذوالنورین و حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہم سلام گفتہ و جواب شنیدہ التماس فاتحہ نمودم۔ ایشان نیز دربارۂ ایں فقیر جدا جدا فاتحہ خواندندہ و فرمودند' بہت یادگاری امور شدہ ایم و فقیر را بہ عنایت خاصی رخصت فرمودند۔ واین خواب را ز بیداری بخت و سعادت مندی کونین خود میداند کہ چنیں عطیہ عظمیٰ مشرف گشتہ۔ والحمد اللہ علی ذالک۔

☆ سفینۃ الاولیاء میں دارا شکوہ حکیم سنائی کے سنی ہونے کے بارے میں اپنا خواب یوں بیان کرتا ہے:

چوں در حدیقہ بعضی ابیات نامعقول الحاقی است' از استماع آں در دل ایں فقیر انکاری بہم رسیدہ جو روزی کہ غزنین داخل میشد بخود قرار دادہ بود کہ بزیارت جمیع اکابر آنجا مشرف گردد الا حکیم' ہمان شب پیش از آن کہ داخل شود بخواب مینید کہ در زیارت مزارات مشائخ غزنین است و شخصی میگوید کہ ایں قبر حکیم سنائی است' چوں بانجا رسید قبری از سنگ سفید دید کہ براں نوشتہ اند: ہذا قبر حکیم سنائی' و دریں شبہ دارد کہ سنی نیز نوشتہ بود یا نہ' چوں چنیں مشاہدہ شد' فہمید کہ اشارہ بان کہ حکیم سنی اند' چوں صباح آں زیارت کرد اہماں قبر سنگ سفید بروشی کہ خواب دیدہ بود مشاہدہ نمود۔ یقین شد کہ آن ابیات الحاقی بر مذہبان مبتدع است۔

# تیسرا باب

## رسالہ حق نما

داراشکوہ کی تیسری تصنیف "رسالہ حق نما" تقریباً 30 صفحوں کا ایک مختصر رسالہ ہے(1)۔ جو 1056ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا:

این رسالہ حق نما باشد تمام
در ہزار و پنجہ و شش شد تمام
ہست از قادر' مدان از قادری
آنچہ ما گفتیم فافہم والسلام

(یہ رسالہ حق نما 1056(ھ) میں مکمل ہوا۔ یہ قادر (مطلق) کی طرف سے ہے' اسے قادری (داراشکوہ کا تخلص) کی طرف سے نہ جان۔ جو کچھ ہم نے کہا پس اسے سمجھ لو' والسلام)

غالباً اس رسالے کا نام "نادر النکات" بھی ہے کیونکہ مولوی محفوظ الحق کے مطابق ASB Curzon Collection میں اس کے مسودے کی ایک نقل پر ٹائٹل کے طور پر نادر النکات تحریر ہے(2)۔ یہ رسالہ داراشکوہ کے قادری سلسلہ میں شامل ہونے کے بعد لکھا گیا۔ صوفیوں سے داراشکوہ کے بہت قریبی تعلقات تھے۔ تجرید' تفرید' عرفان اور توحید کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد' 8 رجب 1055ھ بروز

جمعہ اسے کشف ہوا کہ تصوف کے تمام سلسلوں میں قادری سلسلہ بہترین ہے۔ دارا شکوہ کے مطابق رسول اکرم ﷺ سے شروع ہو کر یہ سلسلہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، میاں میرؒ اور ملا شاہ سے ہوتا ہوا، اس تک پہنچتا ہے۔

دارا شکوہ نے یہ رسالہ حقیقت کی تلاش میں سرگرداں اشخاص کے لئے لکھا ہے۔ اس رسالے کے تعارف میں وہ کہتا ہے کہ بزرگ کامل کی صحبت کے بغیر یہ رسالہ پڑھنا نہیں چاہئے۔ اس میں روحانی ارتقاء کے مختلف مراحل کا خلاصہ دیا ہوا ہے اور روحانی تکمیل کے سب سے بلند درجوں پر پہنچنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اس کے لئے ایک روحانی رہنما کی ضرورت ہے، جو متلاشی حق کو دنیاداری اور بے پرواہی کے دام سے آزاد کر کے محبوب حقیقی سے آشنا کرے۔ عمل کے لئے محنت و مشقت اور زہد و ورع لازمی ہیں اور اسی سے متلاشی حق آخر کار محبوب حقیقی کے جلوے سے سرفراز ہوتا ہے۔ اس تک پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ ایک تو فضل کا اور دوسرا مجاہدہ و ریاضت کا۔ اگر کوئی خدا رسیدہ شخص یہ رسالہ دیکھے گا تو وہ بجا طور پر محسوس کرے گا کہ شہزادہ ہونے کے باوجود مجھ پر فیض الٰہی اور علم و عرفان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں تاکہ انسانوں کو علم ہو کہ خدا کا فضل کسی سبب کا محتاج نہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے اس سے فیض یاب کرتا ہے۔ علم الٰہی کی یہ دولت ہر ایک کے مقدر میں نہیں۔ دارا شکوہ کے لئے یہ اس کا عطیہ خاص ہے۔

دارا شکوہ کہتا ہے کہ اس کی پہلی تصنیف "سفینۃ الاولیاء" ان دنوں کی یادگار ہے جب وہ مرشد کامل کی تلاش میں تھا۔ اس نے اپنی دوسری کتاب "سکینۃ الاولیاء" اس وقت لکھی جب اسے مرشد کامل کی صحبت نصیب ہو گئی تھی اور سلوک و مقامات کی راہوں کا علم حاصل ہو گیا تھا، اور اب جب کہ خدا نے اس پر توحید و عرفان کے دروازے کھول دیئے ہیں، وہ ان کا اظہار اسی رسالے میں کر رہا ہے جو "فتوحات"، "فصوص الحکم" اور تصوف پر دوسری کتابوں کا خلاصہ ہے۔

یہ رسالہ چھ فصلوں (حصوں) پر مشتمل ہے۔ چار حصے "ناسوت" (انسانی دنیا)، "ملکوت" (غیر مرئی دنیا)، "جبروت" (فردوس اعلیٰ) اور "لاہوت" (عالم الٰہی) سے تعلق

رکھتے ہیں۔ پانچواں اور چھٹا حصہ "هویات" (الٰہی جوہر) سے متعلق ہے۔

اس رسالے میں دارا شکوہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں اوضاع و اطوار، نشست و برخواست اور اعمال و اشغال کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا رسول اکرم ﷺ کے طریق سے سرمو فرق و تجاوز نہیں ہے۔ لیکن رسالے کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ طریقہ دراصل یوگا نظام کی ایک نقل ہے۔ رسالہ میں صوفیانہ زبان استعمال کی گئی ہے اور عبارت کو شعروں اور رباعیات سے مزین کیا گیا ہے۔ نو آموز کو دوست یا یار کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ دارا شکوہ کے مطابق الہامی تعلق حاصل کرنے کے لئے یہ مشقیں رسول خدا سے سیکھی گئی ہیں اور چونکہ یہ ہر کس و ناکس کی بجائے صرف چیدہ اشخاص کو بتلائی گئی تھیں، ظاہری اسلام کے ماننے والوں پر ان کا انکشاف نہیں ہوا۔ لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم کو مخاطب کرکے فرمایا ہے:

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ

(سورہ مائدہ، 67:5)

(اے پیغمبر، تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر جو کچھ نازل ہوا ہے، اسے خدا کے بندوں تک پہنچادو (اور دشمنوں کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کرو) اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (پھر) خدا کا پیغام نہیں پہنچایا (یعنی فرض رسالت ادا کرنے میں کوتاہی کی))

اس حکم خداوندی کے بعد اس کے کسی پیغام کو چیدہ چیدہ اشخاص تک محدود رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس رسالے میں بھی دارا شکوہ حبس دم کی بات کرتا ہے کہ اس کے مرشد ملا شاہ پندرہ سال سے نماز عشاء کے بعد صبح کی نماز تک حبس دم کرتے رہے، خواہ راتیں طویل ہوتیں خواہ مختصر۔ نتیجتہً ان کی نیند بالکل ختم ہوگئی۔ اس نکتہ پر ہم دوسرے باب میں روشنی ڈال چکے ہیں۔

وحدت الوجود کے بارے میں دارا شکوہ کا نقطہ نظر وہی ہے جو ابن عربی' عبدالکریم جیلی اور ان کے ہم خیال صوفیاء کا۔ یہاں ہم ایک معروف بزرگ کے دو شعر نقل کر رہے ہیں:

صفات و ذات چو از ہم جدا نمی بینم
بہر چہ می نگرم' جز خدا نمی بینم

(میں صفات (خداوندی) اور ذات (خداوندی) کو ایک دوسرے سے جدا نہیں دیکھتا ہوں' (اس لئے) میں خدا کے سوا کچھ اور نہیں دیکھتا ہوں)

اور

گر نبودی ذات حق اندر وجود
آب و گل را کے ملک کردی سجود؟

(اگر ذات الٰہی وجود (آدم) میں نہ ہوتی' تو فرشتے آب و گل کو سجدہ کیوں کرتے؟)

یہ رسالہ 1874ء اور 1910ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔ 1941ء میں اس کا متن مع انگریزی ترجمے کے الہ آباد سے طبع ہوا۔ ایران میں یہ رسالہ مع مجمع البحرین اور اپنشد مندک' "منتخبات آثار" کے نام سے آقای محمد رضا جلالی نائینی نے تہران سے شائع کیا۔

# حوالے

1-دارا شکوہ' رسالہ حق نما' نول کشور پریس' لکھنؤ' 1910ء-(اس کے علاوہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں " رسائل تصوف " میں شامل ہے- مسودہ J 415-) ترجمہ: مولوی احمد علی بٹالوی' "اللہ والے کی قومی دکان" کشمیری بازار لاہور-

2- بحوالہ "مجمع البحرین " مرتبہ محمد محفوظ الحق' ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال' کلکتہ- 1929ء- صفحہ 16-(تعارف بزبان انگریزی)-

# حواشی

☆ دارا شکوہ لکھتا ہے:؛معلوم کر کہ جب سب کچھ وہی ہے تو پھر تو کون ہے؟ اس کے سوا کوئی اور علاج نہیں کہ اپنے آپ کو بنی عین جانے اور من و تو کے گمان میں نہ رہے۔ یہی توحید و تجلی ذاتی کی حیثیت ہے۔

☆ اس رسالے کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پنڈتوں اور یوگیوں کے اثرات دارا شکوہ پر ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے۔

# چوتھا باب

## حسنات العارفین

حسنات العارفین یا شطحیات دارا شکوہ کی چوتھی کتاب ہے(1)۔ یہ صوفیوں کے ان مجذوبانہ خیالات کا مجموعہ ہے' جو اسلام کے مروجہ عقائد کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ مصنف اس کتاب کے تعارف میں رقم طراز ہے کہ بے خودی کے لمحوں میں اعلیٰ حقائق کا انکشاف غرض مند حلقوں کی طرف سے سنجیدہ اعتراضات کا باعث ہوا ہے۔ کیونکہ میں سالکوں کی موجودہ کتابوں سے غیر مطمئن رہا ہوں اور کبھی کبھار اپنی بے خودی کی حالت میں ایسے الفاظ کہ جاتا ہوں جن میں ارفع سچائیاں ہیں' تو بعض بدفطرت اور غیر مخلص لوگ اپنے کھوکھلے علم کی وجہ سے مجھ پر طنز کرتے' بدعات کا حامل ہونے کاالزام لگاتے اور مرتد کہتے ہیں' اس پر میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ میں ممتاز اور مقدس ہستیوں کے ان اقوال کو جنہیں شطحیات کہا جاتا ہے' تحریر میں لاؤں تاکہ وہ لوگ بھی قائل ہو سکیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بجائے دجال' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بجائے فرعون اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے ابوجہل کا مشرب اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض اقوال .قبلی اکٹھے کرچکا تھا جو استعاروں میں تھے' میں نے نہ صرف ان کو سادہ زبان اور غیر مبہم انداز میں لکھا ہے بلکہ ان میں اضافہ بھی کیا ہے۔ درحقیقت یہ کتاب لکھ کر میں نے اپنے اوپر الزام لگانے والوں کو دریدہ دہنی سے روکا ہے۔

دارا شکوہ کے اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذہبی معاملات پر اس کے لبرل

اور بے باک خیالات کی وجہ سے راسخ العقیدہ مسلمان کس حد تک اس کے خلاف ہو چکے تھے۔ شہزادے کی اپنی تحریر اس کے اضطراب کی گواہ ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ لوگ اسے مرتد اور بدعتی کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جب شہزادہ دارا شکوہ اپنے اختیار کے عروج پر تھا اور اس کے بھائی اس سے دور اپنے اپنے صوبوں میں بیٹھے تھے۔ دارا شکوہ نے اپنے دفاع کے لئے ان صوفیوں کے ملفوظات جمع کئے جو ایسے معاملات میں اس جیسے یا اس سے زیادہ آزاد خیال تھے۔

اس کتاب میں دارا شکوہ نے نہ صرف مختلف بزرگوں اور صوفیوں کے مجذوبانہ اقوال کو جمع کیا ہے بلکہ اپنے خیال میں ' رسول اللہ ﷺ ' خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ' امام زین العابدین" اور امام جعفر صادق" کے اقوال بھی اکٹھے کئے ہیں۔ دارا نے کتاب کے آخر میں یہ کہا ہے کہ حقیقت کی جستجو کرنے والے بعض لوگوں نے مجھے تصنیف میں اپنی شطحیات بھی شامل کرنے کے لئے کہا ہے لیکن میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ اس مجموعے کی تمام شطحیات میری ہی ہیں۶

دارا شکوہ نے 1062ھ میں 38 برس کی عمر میں یہ کتاب لکھنی شروع کی اور 1064ھ میں ربیع الاول کے آخری دن ' بروز پیر اسے مکمل کرلیا۔ اپنی اس کتاب کے نفس مضمون کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ ان معاملات کا ذوق رکھنے والا اور ان باتوں سے مستفید ہونے والا شخص ایک خوش قسمت ہستی ہے۔ رب کریم نے جن و انسان کو عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ اس کے نزدیک عبادت کا مفہوم عرفان ہے۔ پس توحید اور معرفت سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں۔

صوفیائے کرام کی شطحیات کی شرح کرتے ہوئے' دارا شکوہ بہت سی جگہوں پر اپنے ذاتی حوالے بھی دیتا ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

شیخ عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حلاج کے عقیدے سے آگے بڑھ کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ حلاج نے تو حق کو اپنی ذات تک محدود رکھا تھا جبکہ میں سب کو حق دیکھتا ہوں۔ دارا شکوہ کہتا ہے کہ میں نے ان خیالات کا اظہار اپنی اس رباعی میں کیا

ہے:

عارف بخود اطلاق خدائی نکند
از ذات لطیف خود جدائی نکند
گر بندہ کسی بود' خدا او باشد
چوں جملہ خداست خود نمائی نکند

(عارف اپنے آپ پر خدائی کا اطلاق نہیں کرتا ہے' اپنی ذات لطیف سے جدائی (اختیار) نہیں کرتا ہے۔ اگر کوئی بندہ ہو' تو خدا ہوگا' چونکہ سب کچھ خدا ہے' (اس لئے) خود نمائی نہیں کرتا)

پرگنہ باڑی کے رہنے والے ایک صوفی کو دارا شکوہ جان بوجھ کر "حضرت باری" کہتا ہے۔ وہ انہیں اپنا ایک معلم کہتا ہے جو صبر و تحمل' تجرید اور توحید میں بے مثال ہیں۔ ان کی شطحیات تحریر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ میں نے کئی سال ان کی خدمت کی اور ان کا نام جاننے کی مسلسل کوشش کی' مگر انہوں نے کبھی بھی اپنا نام نہ بتایا' اور یہ جواب دیا کہ تمام اسماء اسی کے ہیں اور فقیروں کے کوئی نام نہیں ہوتے۔

اس پر دارا شکوہ نے یہ رباعی لکھی۔

یک ذرہ ندیدیم ز خورشید جدا
ہر قطرۂ آب ہست عین دریا
حق را بچہ نام کس بتواند خواندن؟
ہر نام کہ ہست' ہست از اسمائے خدا

(ہم نے کسی ذرے کو سورج سے جدا نہیں دیکھا' پانی کا ہر قطرہ عین سمندر ہے۔ حق کو کوئی کس نام سے پکار سکتا ہے؟ ہر نام' خدا کے ناموں میں سے ہے)

ان کے بارے میں دارا شکوہ لکھتا ہے کہ وہ نہ کھانا کھاتے تھے اور نہ سوتے

تھے' نہ ہی ان کا کوئی مرید یا ملازم تھا۔ ایک دفعہ میں نے جرات کر کے ان سے پوچھ ہی لیا کہ انہوں نے کس سے علم حاصل کیا تھا۔ ترت جواب ملا کہ میں نے ملا اور پنڈت دونوں کو ختم کر دیا تھا۔ اس لئے علم کس سے حاصل کرتا۔ جب بھی میں ان سے رخصت ہوتا' میرے آنسو بہنے لگتے۔ وہ ہمیشہ کہتے کہ اگرچہ انہیں مجھ سے بے حد محبت اور پیار ہے مگر وہ اپنے آپ کو ان بندشوں میں محصور نہیں کر سکتے۔ ان کو میرے معاملات کا ہمیشہ علم ہوتا اور مجھے آنے والے واقعات سے متنبہ کرتے رہتے۔ ایک دفعہ میں آدھی رات کو ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ مجھے اپنے استاد میاں میر کی یاد آئی۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے' چند قدم چلے اور جب مڑے تو میرے روحانی پیشوا کی شکل میں تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بیٹھ گئے اور اپنی صورت میں آ گئے۔ میں سمجھ گیا کہ جو کچھ میرے دل پر گزرا تھا اس کا انہیں علم ہو گیا تھا۔ ان کی ایک کرامت یہ تھی کہ جنگل درندے' پرندے' نباتات اور جمادات سب ان سے باتیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے ان سے کسی بات پر مشورہ لیا تو میرا گھوڑا جسے میں درخت سے باندھ آیا تھا' یکایک بولنے لگا اور ان کے مشورے کی تصدیق کی۔

ایک رات ایک جگنو ہوا میں بلندی پر اڑ رہا تھا۔ انہوں نے ہندی کا ایک شعر پڑھا' جس کا مطلب یہ تھا کہ تم میری محبت کے شعلے کی ایک چنگاری ہو۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا' اور جگنو نیچے آ کر ان کے ہاتھ پر بیٹھ گیا۔

اپنی وفات سے 12 دن پہلے انہوں نے مجھے بتایا کہ اب زمین ان کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ وہ 15 ربیع الاول 1062ھ کو انتقال کر گئے۔ ان کو پرگنہ باڑی میں دفنا دیا گیا۔

از مرگ نباشد اہل دل را آزار
کز خواب نترسد چو بود دل بیدار
گر جان تو جسم را بینداخت چہ شد؟
چوں کہنہ شود پوست بیندازد مار

(موت سے اہل دل کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی' کیونکہ جب دل بیدار ہوتا ہے تو وہ خواب سے نہیں ڈرتا۔ اگر تیری روح نے تیرے جسم کو چھوڑ دیا تو کیا ہوا؟ جب کھال پرانی ہو جاتی ہے تو سانپ اسے اتار پھینکتا ہے۔)

قرآن کے رموز پر دارا شکوہ اور ان کے مرشد ملا شاہ کے غور و فکر کی دو مثالیں پیش ہیں۔

ملا شاہ آیہ مبارکہ

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى (سورہ نساء' 43:4)

(مسلمانو۔ ایسا کبھی نہ کرو کہ تم نشہ میں ہو اور نماز کا ارادہ کرو)

کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

اے وہ لوگو کہ ایمان حقیقی لا چکے ہو' سکر و مستی کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ سکر نماز سے بلند تر کیفیت ہے۔ اگر نشہ مجازی ہے تو اس میں نماز پڑھنا ممنوع ہے تاکہ نماز اس سے ملوث نہ ہو۔ اس صورت میں مقام عزت نماز کے لئے ہے' اور اگر سکر حقیقی ہے پھر بھی نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ اس صورت میں مقام عزت سکر کے لئے ہے۔

اب آپ خود ہی سوچئے کہ یہ کون سا اسلام ہے؟ اور یہ کون سی تشریح ہے؟

ملا شاہ ایک اور آیہ مبارکہ

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

(سورہ بقر' 7:2)

(ان کے دلوں اور کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا' سو ان کے لئے عذاب جانکاہ ہے)

کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

یہ (آیت) خاص لوگوں کے لئے ہے۔ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے تاکہ ان کے دلوں میں کوئی غیر نہ آئے اور ان کی آنکھیں کسی غیر کو نہ دیکھیں اور ان کے کان غیر کو نہ سنیں اور خود ان کے لئے اس کفر میں بہت لذت و حلاوت ہے۔

اور باتیں تو اپنی جگہ "عذاب عظیم" کا ترجمہ "کفر میں بہت لذت و حلاوت ہے" آنکھوں میں دھول جھونکنے والی بات ہے۔ دراصل یہ تشریح ملا شاہ کی اپنی نہیں۔ انہوں نے ابن عربی کی "فتوحات" سے مستعار لی ہے۔ وہاں یہ آیات درج ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ○ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (سورہ بقرہ، 6،7:2)

ابن عربی ان کی تشریح کرتے ہیں (2):

جنہوں نے اللہ کا ایمان اپنے دلوں میں چھپالیا، ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ وہ میرے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان بھر کر ان پر مہر لگادی ہے۔ اب ان میں کسی اور کی سمائی باقی نہیں رہی۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ترجمہ یوں کیا ہے (3):

(لیکن) وہ لوگ جنہوں نے (ایمان کی جگہ) انکار کی راہ اختیار کی (اور سچائی کے سننے اور قبول کرنے کی استعداد کھودی) تو ان کے لئے ہدایت کی تمام ترصدائیں بے کار ہیں، تم انہیں (انکار حقائق کے نتائج سے) خبردار کرو یا نہ کرو، وہ ماننے والے نہیں۔ ان کے کانوں اور دلوں پر اللہ نے مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے قلم سے ان آیات کی ترجمانی حسب ذیل ہے (4)۔

جن لوگوں نے (ان باتوں کو تسلیم کرنے سے) انکار کردیا ان کے لئے یکساں ہے

خواہ تم انہیں خبردار کرو یا نہ کرو' بہرحال وہ ماننے والے نہیں ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے' اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔
گویا جن لوگوں کو قرآن مردود قرار دیتا ہے' ابن عربی اور ملا شاہ ان کو سب سے بڑا موحد ٹھہرا رہے ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابن عربی کی "فتوحات" کے حوالے سے بعض لوگوں نے اس عبارت کو الحاقی قرار دیا ہے اور ادھر ملا شاہ کے حوالے سے ساری باتیں دارا شکوہ ہی کر رہا ہے1

دارا شکوہ بعض آیات مبارکہ کو شطحیات الٰہی کے عنوان کے تحت لکھتا ہے۔
آیئے' اس کی تشریح پر غور کریں:

1۔ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ج (سورۂ حدید' 3:57)

(وہی اول ہے اور وہی آخر ہے' اور وہی ظاہر اور باطن ہے)

دارا شکوہ کے بقول اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وجود مجھ میں ہے اور سب کچھ میں ہوں۔ یعنی کسی چیز کا کوئی وجود نہیں' سب کچھ وہ خود ہے۔
اس آیت کی تفسیر میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ "تفہیم القرآن" میں لکھتے ہیں(5):
جب کچھ نہ تھا تو وہ (یعنی خدا) تھا اور جب کچھ نہ رہے گا تو وہ رہے گا۔ وہ سب ظاہروں سے بڑھ کر ظاہر ہے کیونکہ دنیا میں جو کچھ بھی ظہور ہے اسی کی صفات اور اسی کے افعال اور اسی کے نور کا ظہور ہے' اور وہ ہر مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے۔ کیونکہ حواس سے اس کی ذات تو محسوس کرنا تو درکنار' عقل و فکر و خیال تک اس کے کنہ اور حقیقت کو نہیں پاسکتے۔

2۔ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ط (سورہ بقرہ' 115:2)

(سو جس طرف تم منہ کرو اسی طرف اللہ کا سامنا ہے)

دارا شکوہ اس آیت کا یہ مفہوم لیتا ہے کہ تم کسی طرف بھی اپنا چہرہ کرلو' میرا ہی چہرہ ہوگا یعنی تمہارا چہرہ میرا چہرہ ہے۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی" "تفہیم القرآن" میں لکھتے ہیں(6): اللہ نہ شرقی ہے نہ غربی۔ وہ تمام سمتوں اور مقاموں کا مالک ہے' مگر خود کسی سمت یا کسی مقام میں مقید نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی عبادت کے لئے کسی سمت یا کسی مقام کو مقرر کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ وہاں یا اس طرف رہتا ہے' اور نہ یہ جھگڑنے اور بحث کرنے کے قابل بات ہے کہ پہلے تم وہاں یا اس طرف عبادت کرتے تھے' اب تم نے اسی جگہ یا سمت کو کیوں بدل دیا۔

3- اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (سورہ فتح، 10:48)

(بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں اور اس کے سوا نہیں کہ وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے)

دارا شکوہ لکھتا ہے کہ جس ہاتھ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس نے اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی' اور اللہ کا ہاتھ کہ ہاتھوں کے اوپر ہے' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہے۔

مولانا مودودی" لکھتے ہیں(7): جس ہاتھ پر لوگ اس وقت بیعت کر رہے تھے وہ شخص رسول کا ہاتھ نہیں بلکہ اللہ کے نمائندے کا ہاتھ تھا اور یہ بیعت رسول کے واسطہ سے در حقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو رہی تھی۔

اس کتاب کے مطالعے سے نہ صرف دارا شکوہ کی سوچ بلکہ اس کے مزاج کا بھی پتہ چلتا ہے۔

# حوالے

1- دارا شکوہ، حسنات العارفین (شطحیات)، مجتبائی پریس، دہلی- 1309ھ- و مخطوطہ نمبر1242، عربی سیکشن، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور-

2- محی الدین ابن عربی، فتوحات مکیہ- دارالکتب العربیہ الکبریٰ، مصر-

3- ابوالکلام احمد، ترجمان القرآن، جلد اول، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور-

4- ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، جولائی 1994ء- جلد اول، صفحہ 52-

5- تفہیم القرآن، جلد پنجم، صفحہ 303-

6- تفہیم القرآن، جلد اول، صفحہ 105-

7- تفہیم القرآن، جلد پنجم، صفحہ 49-

# حواشی

☆ دارا شکوہ "حسنات العارفین" میں لکھتا ہے:

اما بعد میگوید بے حزن و اندوہ محمد دارا شکوہ چوں دریں ایام کہ سال یک ہزار و شصت و دو ہجری سال سی و ہشتم است از ولادت ایں فقیر۔ خاطر بالکلیہ از کتب اہل سلوک و طریقت ملوک گردیدہ بود و جز توحید صرف منظور نبود و از روی وجد و ذوق اکثر کلمات بلند حقایق و معارف سر بریزد' پست فطرتان دون ہمت و زاہدان خشک بے حلادت' از کوتاہ بینی در حسد و طعن و انکار میشدند' بنا براں بخاطر ایں فقیر رسید کہ آنچہ از کبرائی موحدان و بزرگان و عارفان کہ بہترین مخلوقات این وقت اند و راست بازاں در معاملات اند' سخنان بلند کہ آنرا متشابہات شطحیات نامند صادر شدہ و در کتب رسائل ایں قوم متفرق است۔ با آنچہ از عارفان ایں وقت شنیدہ' جمع نماید تا حجت قاطع و برہان ساطع بر دجاجلہ عیسیٰ نفساں و فراعنہ موسیٰ صفتان' و ابوجہلای محمدی مشربان باشد۔

☆ ملا شاہ کے حوالے سے "حسنات العارفین" میں لکھا ہے۔

اے کسا لیکہ ایمان حقیقی آوردہ اید نزدیک نماز نشوید در وقتیکہ در حالت سکر و مستی مقید' سکر حالت بلند ترست از نماز گزاردن' اگر مستی مجازیست قرب نماز ممنوع ست تا نماز ملوث نشود۔ دریں صورت عزت نماز ست' و اگر سکر حقیقی ست باز ہم قرب نماز ممنوع است دریں صورت عزت سکر ست۔ مصلی نماند نماز کہ خواند۔

# پانچواں باب

## مجمع البحرین------ایک جائزہ

اب تک دارا شکوہ نے جتنا کام کیا تھا وہ مسلمان صوفیوں پر تھا۔ بس "حسنات العارفین" میں ایک نام ہندو یوگی بابالال کا آیا تھا۔ لیکن اس دوران دارا نے ہندو فلسفے اور مذہب کا گہرا مطالعہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام اور ہندو دھرم میں صرف اصطلاحات کا فرق ہے۔ بنیادی عقائد وہی ہیں۔ اس نے اپنے ان خیالات کا اظہار اپنی پانچویں کتاب "مجمع البحرین" میں کیا ہے(1)۔ اس نے یہ کتاب 42 برس کی عمر میں 1065ھ میں مکمل کی۔ اس کتاب میں عام طور پر نہ گہرائی ہے اور نہ عظیم روحانیت کیونکہ یہ زیادہ تر ہندو دھرم اور اسلام کی مترادف اصطلاحات سے بھری ہوئی ہے لیکن کہیں کہیں قرآن کے حوالے سے فلسفیانہ گفتگو بھی ہے۔ یہ تصنیف تقابل ادیان کا ذوق رکھنے والوں کے لئے نہایت اہم ہے کیونکہ یہ دو بالکل مختلف مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کی ایک کوشش ہے۔ یہ دارا شکوہ کا آخری طبع زاد کام ہے۔ اس کے بعد دارا شکوہ نے "اپنشد" کا ترجمہ کیا۔ نیز "بھگوت گیتا" اور "جوگ بشست" کا ترجمہ کرایا۔ جب اس کی گرفتاری کے بعد "مجمع البحرین" علماء کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے ان خیالات کی بنا پر جن کا اس کتاب میں اظہار کیا گیا تھا اسے ملحد قرار دے کر موت کی سزا دی۔ اس کے بھائی نے بڑی صدق دلی سے اس سزا پر عمل کرایا۔ دارا شکوہ فخریہ طور پر لکھتا ہے کہ اس نے یہ کتاب اپنے کشف و ذوق کی بنا پر اور اپنے خاندان کے افراد کے لئے لکھی ہے اور اسے دونوں قوموں کے

عوام سے کوئی غرض نہیں۔ اگرچہ اپنی زبان اور اسلوب کے لحاظ سے "مجمع البحرین" کوئی بہت دلچسپ اور مرصع کتاب نہیں، لیکن اس سے دو ادیان کو قریب لانے کے لئے دارا شکوہ کی سعی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس کتاب کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

بنام آں کہ او نامی ندارد
بہر نامی کہ خوانی سر بر آرد

(اس کے نام سے جس کا کوئی نام نہیں، تو جس نام سے بھی اسے پکارے، وہ سر نکال لیتا ہے)

پھر اللہ تعالٰی کی ثناء، رسول اکرم ﷺ کی توصیف اور اہل بیت رضی اللہ عنہم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی منقبت ہے۔ لیکن اللہ کی تعریف یوں کی ہے۔ "تعریف اس خدائے یگانہ کی ہے جس نے اسلام اور کفر کی دو زلفیں، جو ایک دوسرے کے مقابل ہیں، اپنے چہرے پر لہرائیں۔ ان میں سے کوئی بھی اس کے رخ نیکو کے لئے موجب حجاب نہیں۔

کفر و اسلام در رہش پویاں
وحدہ لاشریک لہ گویاں"

(کفر و اسلام اس کی راہ میں دوڑتے ہوئے (اور) وحدہ لا شریک لہ کہتے ہوئے

اور اس کے بعد یہ لکھا ہے:

درہمہ اوست ظاہر ہمہ از وست جلوہ گر، اول اوست و آخر اوست، وغیر او موجود نباشد۔

(سب میں وہی ظاہر ہے (اور) سب کچھ اسی کی وجہ سے جلوہ گر ہے، وہی اول ہے اور وہی آخر اور اس کے علاوہ کوئی موجود نہیں ہے)

اور اس کے بعد یہ رباعی تحریر کی ہے:

ہمسایہ و ہم نشین و ہم رہ ہمہ اوست
در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہاں خانہ جمع
باللہ ہمہ اوست' ثم باللہ ہمہ اوست

(ہمسایہ' ساتھی اور ہم سفر' سب کچھ وہی ہے۔ فقیر کی گودڑی اور بادشاہ کے کمخواب (کے خلعت) میں بھی وہی ہے۔ فرقوں کی جلوت اور گروہوں کی خلوت میں' بخدا سب وہی ہے' بخدا سب وہی ہے)

یہ جامی کی رباعی ہے۔ دارا شکوہ نے اس کو حسنات العارفین میں بھی لکھا ہے۔ شاعر کی شطحیات کے حوالے سے۔

اس عبارت کے پیش نظر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کتاب لکھتے ہوئے دارا شکوہ کے پیش نظر ہندوؤں کے ویدانتی اور مسلمانوں کے صوفیانہ عقائد تھے جن میں وہ ہم آہنگی اور یگانگت ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ اور اس سلسلے میں وہ اتنا آگے نکل گیا کہ لکھتا ہے کہ بموجب قول اکابر: التصوف هو الانصاف والتصوف ترک التکلیف (تصوف انصاف ہے نیز تصوف فرائض مذہبی کو ترک کرنے کا نام ہے)۔

اپنی سوچ پر اسے اتنا یقین ہے کہ وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ ہر شخص جو انصاف پسند اور صاحب ادراک ہے وہ سمجھ جائے گا کہ ان نکات تک پہنچنے کے لئے مجھے کتنا غور کرنا پڑا۔ یقین ہے کہ ذہین اور صاحب ادراک اس رسالے سے لطف اندوز ہوں گے جبکہ دونوں گروہوں کے کند ذہن اس سے مستفید نہ ہوں گے۔

اس کتاب میں دارا شکوہ نے مسئلہ آفرینش' قیامت اور معرفت ربانی پر بحث کی ہے اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اس سلسلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں محض زبان و بیان کا اختلاف ہے۔ دارا شکوہ نے دو مذاہب کے درمیان جس ہم آہنگی کا ذکر کیا

ہے' دونوں طرف کے سکالرز کی طرف سے آسانی سے اس کی تردید ہو سکتی ہے' مثلاً اسلام میں روح کا تصور ویدوں کے فلسفہ سے بالکل مختلف ہے۔ اسلام روح کو خدا تسلیم نہیں کرتا' جبکہ اپنشدوں میں خدا کا ظہور آتما کے طور پر ہی ہوتا ہے۔ "مجمع البحرین" میں قیامت کے بیان کے بارے میں دارا شکوہ کی تشریحات پر ہم نسبتاً تفصیل سے بات کریں گے۔ یہ بہت دلچسپ بات ہے کہ دونوں مذاہب کے درمیان اختلافی نکات کے بارے میں دارا شکوہ بالکل خاموش ہے جیسے کہ دونوں مذاہب میں مکمل ہم آہنگی ہو۔

صفات اللہ تعالیٰ کے عنوان سے وہ یوں رقم طراز ہے:

صوفیاء کرام کے مطابق جمال و جلال کی دو الوہی صفات تمام مخلوق پر محیط ہیں۔ جب کہ ہندو فقیروں کے مطابق (خدا کی) تین صفات ہیں: "ست" (ایجاد)' "رج" (ابقا) اور "تم" (افنا)۔ ان کو مجموعی طور پر "ترگن" کہتے ہیں۔ صوفیاء ابقا کو صفت جمال میں ہی شمار کرتے ہیں اس لئے وہ دو صفتوں کی بات کرتے ہیں۔ چونکہ یہ تینوں صفات ایک دوسرے میں شامل ہیں' اس لئے ہندو فقراء ان تین صفات کو "ترمورت" یا "برہما"' "بشن" اور "مہیش" کہتے ہیں اور صوفیاء انہیں "جبرئیل"' "میکائیل" اور "اسرائیل" کا نام دیتے ہیں۔ "برہما" (جبریل) ایجاد کا فرشتہ ہے' "بشن" (میکائیل) ابقا کا اور "مہیش" (اسرافیل) افنا کا۔ پانی' آگ اور ہوا بھی انہیں (رہنما) فرشتوں سے منسوب ہیں۔ پانی' جبریل کے ساتھ' آگ میکائیل کے ساتھ اور ہوا اسرافیل کے ساتھ۔ ان تینوں چیزوں آگ' ہوا اور پانی کا تمام جانداروں میں بھی ظہور ہے۔ چنانچہ "برہما" (جبریل) جو زبان کے پانی کے طور پر ظاہر ہوتا ہے' کلام الٰہی کا مظہر ہے اور نطق اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ "بشن" (میکائیل) جو آنکھوں کی آگ ہے' روشنی' نور اور بینائی کا منبع ہے۔ "مہیش" (اسرافیل) کہ نتھنوں کی ہوا ہے' دو نفخہ صور کہ دو نفس ہیں اس سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کے منقطع ہونے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔

اس کتاب میں دارا شکوہ نے "قیامت" اور "مکتی" کے سلسلے میں دونوں مذاہب میں ہم آہنگی ظاہر کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ چنانچہ "بیان قیامت" اور "بیان

مکتی" کے عنوانات کے تحت وہ لکھتا ہے کہ موحدان ہند کے مطابق بہشت یا دوزخ میں ایک طویل مدت رہنے کے بعد "مہاپرلی" یعنی "قیامت کبریٰ" ہوگی جو قرآن کی اس آیت سے بھی ثابت ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝ (سورہ نازعات' 34:79)
(پھر جب بڑا ہنگامہ آئے گا (قیامت))

دارا شکوہ کی یہ تشریح صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت قیامت کے بارے میں ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں (2) کہ اس سے مراد قیامت ہے۔ طامہ ایسی بڑی آفت کو کہتے ہیں جو سب پر چھا جائے۔ اس کے بعد اس کے لئے کبریٰ کا لفظ مزید استعمال کیا گیا ہے' جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس (آفت) کی شدت کا تصور دلانے کے لئے محض طامہ بھی کافی نہیں۔ اس سے اگلی آیت یہ ہے۔

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۝ (سورہ نازعات 35,79)
(جس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کمایا (اپنے اعمال))

مولانا مودودیؒ نے "تفہیم القرآن" میں اس کی وضاحت یوں کی ہے (3) کہ جب انسان دیکھ لے گا کہ وہی محاسبہ کا دن آگیا ہے جس کی اسے دنیا میں خبر دی جا رہی تھی' تو قبل اس کے کہ اس کا نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دیا جائے' اسے ایک ایک کرکے اپنی وہ سب حرکتیں یاد آنے لگیں گی جو وہ دنیا میں کرکے آیا ہے' بعض لوگوں کو یہ تجربہ خود اس دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ اگر یکایک کسی وقت وہ کسی ایسے خطرے سے دوچار ہو جاتے ہیں جس میں موت ان کو بالکل قریب کھڑی نظر آنے لگتی ہے' تو اپنی پوری زندگی کی فلم ان کی چشم تصور کے سامنے یک لخت پھر جاتی ہے۔

قرآن مجید کے مطابق مرنے کے بعد ایک روز قیامت برپا ہوگی۔ روز محشر ہوگا۔ حساب کتاب ہوگا۔ جن کی نیکیاں زیادہ ہیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں اور جن کی برائیاں زیادہ ہیں ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ اور پھر نیک لوگ بہشت میں اور برے دوزخ میں بھیج دیے جائیں گے۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ احادیث کے مطابق اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر تمام مسلمان آخرکار جنت میں آجائیں گے۔ لیکن دارا شکوہ کے مطابق ہندو دھرم یہ کہتا ہے کہ بہشت اور دوزخ میں ایک طویل مدت گزارنے کے بعد قیامت کبریٰ آئے گی۔ جنت اور دوزخ سمیت سب کچھ ذات باری میں جذب ہو جائے گا اور سوائے اس کے چہرے کے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ یہ تصور قرآن مجید سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ایسی قیامت کبریٰ کا ذکر اسلام میں کہاں ہے؟

دارا شکوہ کا یہ دعویٰ کہ مندرجہ ذیل آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ "مہا پرلی" برپا ہوگی، صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت بھی قیامت کے بارے ہی میں ہے۔

وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (سورہ زمر، 68:39)

(اور صور میں پھونک ماری جائے گی، تو (ہر کوئی) جو آسمانوں اور زمین میں ہے بے ہوش ہو جائے گا، سوائے اس کے جسے اللہ چاہے)

بقول دارا شکوہ اس آیہ مبارکہ میں یہ استثناء عارفوں کی جماعت کے لئے ہے کہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بے ہوشی اور بے خبری سے محفوظ ہیں۔ لیجئے، یہاں دارا شکوہ اپنی تردید آپ ہی کر رہے ہیں۔ ایک طرف تو یہ کہہ رہے ہیں کہ مہاپرلی کے بعد سوائے اللہ کے چہرے کے بہشت اور دوزخ سمیت کچھ بھی باقی نہیں بچے گا اور دوسری طرف عارفوں کی ایک جماعت کو محفوظ و مامون سمجھتے ہیں۔

اسی کتاب میں دارا شکوہ لکھتا ہے کہ مکتی کا مطلب تعینات کا تباہ ہو کر ذات حق میں غائب ہو جانا ہے۔ چنانچہ آسمانوں اور زمین کی الٹ پلٹ، بہشت اور دوزخ کی تباہی اور برہمانڈ کی عمر تمام ہونے کے بعد، اہل بہشت اور اہل دوزخ (دونوں) کو "مکتی" حاصل ہوگی، یعنی دونوں ذات حق میں جذب ہو کر ختم ہو جائیں گے اور بموجب آیت ذیل صرف اس کا چہرہ باقی رہے گا:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (سورہ رحمٰن، 27،26:55)

(زمین پر جو کوئی ہے فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی صاحب عظمت احسان کرنے والے تیرے رب کی ذات)

دارا شکوہ کی طرف سے اس آیت کی تشریح اسلامی نظریہ سے ہم آہنگ نہیں اور نہ ہی یہ تشریح کسی طرح بھی قرآن کی عبارت کا مفہوم ادا کرتی ہے۔ یہ آیت قیامت کے بارے میں ہے نہ کہ قیامت کے بعد کے کسی واقعہ کے بارے میں۔

اس کے بعد دارا شکوہ مندرجہ ذیل آیہ مبارکہ کا حوالہ دیتا ہے:

وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (سورہ توبہ، 72:9)

(اور ان سب سے بڑھ کر نعمت یہ ہے کہ) اللہ کی خوشنودیوں کا ان پر نزول ہوگا)

اور یہ کہتا ہے کہ رضوان اکبر یا فردوس اعلیٰ میں داخل ہونا، نجات عظیم ہے جسے "مکتی" کہتے ہیں۔ یہ بات اس کی اپنی پہلی تشریح سے بالکل مختلف ہے۔ پہلے تو یہ کہا تھا کہ بہشت، دوزخ وغیرہ کی تباہی کے بعد ذات حق میں جذب ہونے کا نام "مکتی" ہے لیکن اب یہ کہہ رہا ہے کہ رضوان اکبر یا فردوس اعلیٰ میں داخل ہونا، نجات عظیم ہے جسے "مکتی"

کہتے ہیں۔

اس کے بعد دارا شکوہ لکھتا ہے کہ مکتی کی تین قسمیں ہیں۔

1- اول "جیون مکتی" یا "زندگی میں نجات": اہل ہند کے نزدیک جیون مکتی یہ ہے کہ زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور شناسائی کی بدولت نجات اور آزادی حاصل ہو' اور انسان اس دنیا کی سب چیزوں کو ایک دیکھے اور ایک جانے۔ نیز تمام اعمال و افعال' حرکات و سکنات' خواہ وہ اچھے ہوں یا برے' اپنی یا غیر کی جانب نسبت نہ کرے' اور اپنے آپ کو اور تمام موجودات کو عین حق جانے اور ان سب میں مراتب حق کو جلوہ گر سمجھے اور تمام برہماند کو کہ صوفیائے کرام اسے عالم کبریٰ کہتے ہیں اور خدا کی مکمل صورت ہے' خدا کا جسمانی بدن گردانے۔ اس کے بعد دارا شکوہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ کسی ایسے دماغ کی تحریر ہی ہو سکتی ہے جو ہندو دھرم سے شدید متاثر ہو۔ ہم تو اسے نقل کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتے۔

دوم۔ "سرب مکتی" یعنی "سب سے آزادی": یہ ذات حق میں مل جانے کا نام ہے۔ یہ (نجات) سب کے لئے ہے' چنانچہ قیامت کبریٰ کے بعد یعنی آسمان و زمین' بہشت و دوزخ' لیل و نہار کی تباہی کے بعد' ذات حق میں گم ہو کر سب کو نجات حاصل ہو جائے گی۔ دارا شکوہ کے مطابق قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات اسی مکتی کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (سورہ توبہ' 72:9)

(اور ان سب سے بڑھ کر (نعمت یہ ہے کہ) اللہ کی خوشنودیوں کا ان پر نزول ہو گا)

اور

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (سورہ یونس' 62:10)

(یاد رکھو' جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا خوف ہو گا نہ کسی طرح کی غمگینی)

دارا شکوہ کی تشریح پر ہم اپنے نقطہ نظر کا اظہار کر چکے ہیں۔

سوم۔ "سریدا مکتی" یعنی "رستگاری پس": سریدا مکتی نام ہے عارف بن جانے کا، نیز آزادی اور نجات حاصل کرنے کا، سیر کے ہر مرتبہ پر، خواہ دن کو ہو خواہ رات کو، خواہ عالم باطن میں ہو، خواہ عالم ظاہر میں، خواہ برہماند ظاہر ہو خواہ نہ ہو اور خواہ ماضی میں ہو، خواہ حال میں، اور خواہ مستقبل میں ہو کہ ان کو "بھوت"، "بھوشت" اور "برتمان" کہتے ہیں۔ اور جہاں جہاں قرآنی آیات میں جنت میں ہمیشہ رہنے کے لئے خلدین فیہا ابدا آیا ہے، وہاں جنت سے مراد معرفت کی جنت ہے اور لفظ "ابدا" سے مراد، اس مکتی کی ابدیت ہے۔ کیونکہ انسان کسی حالت میں ہو، اسے خدا کی معرفت کی استعداد اور اس کی عنایات ازلی درکار ہیں۔ دارا شکوہ کے مطابق سورہ توبہ اور سورہ کہف کی مندرجہ ذیل آیات کریمہ ایسی جماعت کے ہی بارے میں ہیں:

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (سورہ توبہ، 21،22:9)

(ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور کامل خوشنودی کی بشارت دیتا ہے۔ نیز ایسے باغوں کی جہاں ان کے لئے ہمیشگی کی نعمت ہوگی اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ یقیناً اللہ کے پاس (نیک کرداروں کے لئے) بہت بڑا اجر ہے)

اور

وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝ (سورہ کہف، 3،2:18)

(اور مومنوں کو جو اچھے اچھے کام کرتے ہیں، خوشخبری دے دے کہ یقیناً ان کے لئے بڑی ہی خوبی کا اجر ہے۔ ہمیشہ اس میں خوش حال رہیں گے۔)

اس تجزیہ سے یہ ظاہر ہے کہ دارا شکوہ نے اپنی طرف سے یہ کوشش کی ہے

کہ کسی نہ کسی طرح یہ ثابت کرے کہ ہندومت کے بنیادی تصورات قرآن سے ہم آہنگ ہیں، لیکن اس دعویٰ کو کسی نے بھی تسلیم نہیں کیا، بلکہ مسلمانوں نے اسے ایک مضحکہ خیز کوشش سمجھا جس کا مقصد اسلام کے مقابلے پر ہندومت کی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا تھا۔ بکرماجیت حسرت لکھتا ہے (4) کہ مذہبی برداشت کے بارے میں اسلام کے بے مثل صبر و تحمل کے باوجود روشن دماغ شہزادے کی ان کوششوں کو بدعت اور کفر قرار دیا گیا۔

اس کتاب کے مطالعے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ دارا شکوہ کو اپنشدوں پر عبور ہو تو ہو، اسلامی اصولوں پر اس کی نظر وقیع نہیں۔

# حوالے

1-دارا شکوہ، مجمع البحرین، ترتیب و ترجمہ: محمد محفوظ الحق، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ-1929ء-

2- ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، جولائی 1994ء- جلد ششم، صفحہ 246-

3- تفہیم القرآن، جلد ششم، صفحہ 246-

4- بکرماجیت حسرت، دارا شکوہ (بزبان انگریزی)، منشی رام منوہرلال پبلشرز، نیو دہلی، طبع دوم، 1982ء- صفحہ 223-

# حواشی

☆ "مجمع البحرین" کا فارسی متن مع انگریزی ترجمے کے مولوی محفوظ الحق نے 1929ء میں کلکتہ سے شائع کرایا۔ بعد میں تہران سے شائع ہوا۔

☆ مولوی منظور الحق لکھتے ہیں کہ اگرچہ مجمع البحرین کے نسخے ہندوستان کی لائبریریوں میں نایاب نہیں ہیں، لیکن وہ محررانہ غلطیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ انہوں نے پانچ نسخوں سے رجوع کرنے کے بعد اپنا نسخہ تیار کیا۔ مختلف نسخوں میں اتنا فرق ہے اور سنسکرت سے فارسی میں جاتے ہوئے رسم الخط میں تبدیلی کی وجہ سے اصطلاحات میں اتنے اختلافات ہیں کہ تدوین کا کام بہت مشکل اور بعض صورتوں میں ناممکن بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ "مجمع البحرین" کے عربی ترجمے کے نسخے سے بھی رجوع کرتے رہے ہیں۔ یہ ترجمہ محمد صالح بن الشیخ احمد المصری نے کیا ہے اور عربی اقتباسات کی تصحیح میں بہت مفید ثابت ہوا۔

☆ مولوی محفوظ الحق نے "مجمع البحرین" کی نہ صرف تدوین کی بلکہ انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ بھی کیا۔ اس کے مقدمے میں وہ رقم طراز ہیں کہ "مجمع البحرین" کے انگریزی مسودہ کو دیکھ کر ان کے رفیق کار ڈاکٹر سریندر ناتھ داس گپتا نے کہا کہ دارا شکوہ نے نفس مضمون میں کئی ایک غلط باتیں کہی ہیں اور یہ ضروری ہے کہ ان بیانات کی تصحیح و تشریح فٹ نوٹس میں کی جائے۔ انہوں نے مولوی صاحب سے یہ وعدہ کیا تھا کہ فٹ نوٹس وہ خود لکھ دیں گے لیکن امریکہ چلے جانے کی وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے۔

☆ مولوی محفوظ الحق لکھتے ہیں کہ گوپال پرشاد نے "نور عین" کے نام سے "مجمع البحرین" کا اردو میں ترجمہ کیا۔ جو 1872ء میں لکھنؤ میں چھپا' لیکن اب اس کی کاپی کہیں بھی نہیں ملتی۔

☆ کتاب کے آغاز میں جو شعر لکھا ہے وہ حکیم سنائی کی حدیقتہ الحقیقت سے ہے اور داراشکوہ نے انہیں خطوط پر ایک رباعی بھی لکھی ہے:

یک ذرہ ندیدیم زخورشید جدا
ہر قطرۂ آب ہست عین دریا
حق را بچہ نام کس بتواند خواندن
ہر نام کہ ہست ہست از اسماء خدا

اور جامی نے اسی موضوع پر یوں کہا ہے:

گہ بادہ و گہ جام خوانیم ترا
گہ دانہ و گہ دام خوانیم ترا
جز نام تو بر لوح جہاں چیزے نیست
آیا بکدام نام خوانیم ترا

☆اس کتاب میں 22 مختلف موضوعات پر بحث کی گئی ہے تاکہ مذہب اسلام اور آئین ہندو کی قدر مشترک معلوم ہو۔

☆ محمد حسین آزاد اپنی کتاب "دربار اکبری" میں رقم طراز ہیں کہ اکبر نے

مسلمانوں اور ہندوؤں کے مشترکہ استعمال کے لئے کشمیر میں ایک عمارت تعمیر کی تھی۔ ابو الفضل نے یہ شعر اس پر کندہ کرایا تھا۔

کفر و اسلام در رہش پویاں
وحدہ لا شریک لہ گویاں

☆ مولوی محفوظ الحق نے مندرجہ ذیل نسخوں سے استفادہ کیا ہے۔

1- آصفیہ لائبریری، حیدر آباد (دکن) کا مخطوطہ۔ اس پر 9 ربیع الاول 1224ھ کی تاریخ ہے۔ سید غریب علی بن سید شاہ علی رضا نے تحریر کیا ہے۔ اس مسودے میں بے شمار محررانہ غلطیاں ہیں۔

2- خدا بخش خاں اورینٹل پبلک لائبریری، بانکی پور کا مخطوطہ (فارسی مخطوطوں میں نمبر 1450- خان بہادر عبدالمقتدر کا تیار کردہ)۔ اس میں نہ تحریر کی تاریخ درج ہے نہ ہی کاتب کا نام۔ یہ نسخہ آصفیہ سے بہتر ہے مگر صاف ہینڈ رائٹنگ میں نہیں لکھا ہوا۔

3- رام پور سٹیٹ لائبریری کا مخطوطہ۔ اس پر 22 ذوالحجہ 1226ھ کی تاریخ ہے۔ خواجہ میر قاسم کے کہنے پر اسے محمد حاجی بیگ نے نقل کیا ہے۔ اس نسخہ میں بظاہر اضافی تحریریں ہیں جو شیعہ رجحانات کی عکاسی کرتی ہیں۔

4- وکٹوریہ میموریل ہال کلکتہ کا مخطوطہ۔ اس کے بارے میں یہ دعویٰ ہے کہ یہ دارا شکوہ کا تحریر کردہ ہے۔ مولوی منظور الحق اس نسخے کے بغور معائنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس بات کی کوئی داخلی یا خارجی شہادت نہیں کہ یہ شہزادہ دارا شکوہ کی تحریر ہے۔ اس کے علاوہ اس میں اتنی فروگزاشتیں حتیٰ کہ ہجوں کی غلطیاں ہیں کہ یہ دارا شکوہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو ہی نہیں سکتا۔

5- ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کا مخطوطہ (کرزن کے مجموعے میں اس کا نمبر III 156 ہے) بدقسمتی سے یہ نسخہ مولوی صاحب کو تاخیر سے ملا۔ اس لئے وہ اس سے پوری

طرح استفادہ نہ کر سکے۔

وہ "مجمع البحرین" کے منفرد عربی ترجمے کے مخطوطے سے بھی رجوع کرتے رہے۔ یہ نسخہ بہار لائبریری (امپریل لائبریری، کلکتہ) میں محفوظ ہے۔ یہ ترجمہ محمد صالح بن الشیخ احمد المصری نے کیا ہے اور عربی اقتباسات کی تصحیح میں بہت مفید ثابت ہوا۔

☆ "بیان صفات اللہ تعالیٰ" کے تحت دارا شکوہ لکھتا ہے:

نزد صوفیہ دو صفت است جمال و جلال کہ جمیع آفرینش از تحت این دو صفت بیرون نیست۔ و نزد فقرای ہند سہ صفات اند کہ آن را "ترگن" میگویند، "ست" و "رج" و "تم"۔ "ست" یعنی ایجاد، و "رج" یعنی ابقا و "تم" یعنی افنا۔ و صوفیہ صفت ابقا را در ضمن صفت جمال دیدہ و اعتبار کردہ اند۔ چون ہر یکی ازین سہ صفت در یکدیگر مندرج اند فقرای ہند این سہ صفت را "ترمورت" نامند کہ "برھما" و "بشن" و "مہیش" باشند و بزبان صوفیہ جبرئیل و میکائیل و اسرافیل گویند۔ "برھما" موکل ایجاد است کہ جبرئیل باشد و "بشن" موکل ابقاست کہ میکائیل باشد و "مہیش" موکل افناست کہ اسرافیل باشد۔ و آب و باد و آتش نیز منسوب باین موکلانند، آب بجبرئیل و آتش بمیکائیل و باد باسرافیل و این سہ چیز در جمیع جانداران نیز ظاہر است، "برھما" کہ آب باشد در زبان، مظہر کلام الٰہی گشت و نطق ازین ظاہر شد، و "بشن" کہ آتش است در چشم، روشنی و نور و بینائی ازو ظاہر شد و "مہیش" کہ باد است در بینی، دو نفخہ صور ازین ظاہر شد کہ دو نفس باشد و چون آن منقطع گردد فانی شود۔

"ترگن" سہ صفت حق باشد کہ ایجاد و ابقا و افناست و مظہر این سہ صفت ہم "برھم" و "بشن" و "مہیش" اند کہ صفات آنہا در جمیع مخلوقات ظاہر اند، اول مخلوق پیدا میشود باز بقدر موعود میماند و باز فانی میشود، و "شکت" کہ قدرت این سہ صفت است آن را "تردیوی" گویند، و ازان "ترمورت" کہ "برھما" و "بشن" و "مہیش" باشند و ازین "تردیوی" این سہ چیز بر آمد کہ آن را "سرستی" "پاربتی" و "لچھمی" میگویند، "سرستی"

بہ "رجوگن" و "برھما" تعلق دارد و "پاربتی" بہ "تموگن" و "مہیش" و "لچھمی" بہ "ست گن" و "بشن"۔

☆ "بیان قیامت" کے تحت داراشکوہ تحریر کرتا ہے:

بطور موحدان ہند اینست کہ بعد از بودن در دوزخ و بہشت چون مدتہائی طویل بگزرد "مہاپرلی" شود کہ عبارت از قیامت کبریٰ است کہ از آیہ کریمہ فاذا جاء ت الطامہ الکبری یعنی وقتیکہ بیاید قیامت کبریٰ مفہوم میشود وازین آیہ نیز معلوم میشود و نفخ فی الصور فصعق من فی السموات و من فی الارض الا من شاء اللہ یعنی وقتیکہ دمیدہ میشود صور پس بے ہوش میشود ہرکہ در آسمانہا و زمینہاست مگر شخصی راکہ خواستہ باشد خدای تعالیٰ از بے ہوش شدن نگاہ دارد و آں جماعت عارفاں باشد کہ محفوظ انداز بے ہوشی و بے خبری ہم در دنیا و ہم در آخرت۔ وبعد از برطرف شدن آسمانہا و زمینہا و فانی شدن دوزخہا و بہشتہا و تمام شدن مدت عمر "برہمانڈ" و نبودن "برہمانڈ" اہل بہشت و دوزخ را مکت خواہد شد' یعنی ہردو در حضرت ذات مستہلک و محو شوند۔ بموجب این آیہ کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

☆ "بیان مکت" کے تحت داراشکوہ رقم طراز ہے:

"مکت" عبارت از استہلاک و محو شدن تعینات باشد در حضرت ذات کہ از آیہ کریمہ و رضوان من اللہ اکبر ذلک ھو الفوز العظیم ظاہر میشود' وداخل شدن در رضوان اکبر کہ فردوس اعلیٰ باشد رستگاری بزرگ است کہ مکت باشد و مکت بر سہ قسم است۔ اول: "جیون مکت" یعنی رستگاری در زندگانی و "جیون مکت" نزد ایشاں آنست کہ درایام حیات خود بدولت عرفان و شناسائی حق تعالیٰ رستگار و خلاص باشد و در ہمیں جہاں ہمہ چیز رایکی بیند و یکی داند و اعمال و افعال و حرکات و سکنات و نیک و بد را نسبت بخود و بغیر نکند و خود را باجمیع اشیائی موجودہ عین حق شناسد و در ہمہ مراتب حق را جلوہ گر داند و تمام

برہماند راکہ صوفیای کرام آن را عالم کبریٰ گفتہ اند و صورت کلیت خداست بمنزلۂ بدن جسمانئ خدا گرداند۔

دوم: "سرب مکت" یعنی رستگاری ہمہ و آن استہلاک در ذاتست و آن شامل ہمہ موجودات است و بعد از قیامت کبریٰ و فنای آسمان و زمین و بہشت و دوزخ و نبودن برہماند و نبودن روز و شب از محویت در ذات رستگار و خلاص باشند و آیہ کریمہ و رضوان من اللہ اکبر ذالک ہو الفوز العظیم و الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم و لا ہم یحزنون یعنی بدرستیکہ عارفان خدا را نیست ترسی و نیستند آنہا اندوہگین اشارہ بہمین مکت است۔

سیوم: "سربدا مکت" یعنی رستگارئی پس۔ "سربدا مکت" آن باشد کہ در ہر مرتبہ کہ سیرکند خواہ در روز خواہ در شب خواہ در عالم باطن خواہ در عالم ظاہر خواہ برہماند نماید خواہ نماید و خواہ در ماضی خواہ حال و خواہ در مستقبل کہ بہوت بہوشت برتمان گویند عارف و رستگار و خلاص باشد' و ہرجا کہ در آیات قرآنی درباب بودن در جنت خلدین فیہا ابدا واقع شدہ یعنی ہمیشہ خواہند بود در آن بہشت مراد از جنت معرفت است و مراد از لفظ ابدا ابدیت این مکت است۔ چہ در ہر نشاء کہ باشد استعداد معرفت و عنایات ازلی درکار است' چنانچہ این دو آیہ کریمہ درباب اینچنین جماعت وارد است یبشرہم ربہم برحمۃ منہ و رضوان و جنت لہم فیہا نعیم مقیم خلدین فیہا ابدا ان اللہ عندہ اجر عظیم یعنی مژدہ میدہد ایشان را پروردگار ایشان برحمتی از خود و مژدہ میدہد بفردوس اعلیٰ و بہشتہا کہ مرایشان راست در آن بہشتہا نعمتہائی دائمی و رستگارئی بی انقطاع از نزدیک حق تعالیٰ بدرستی کہ مزدیست بزرگ و نیز آیۂ کریمہ دیگر و یبشر المومنین الذین یعملون الصلحت ان لہم اجرا حسنا ماکثین فیہ ابدا یعنی مژدہ بدہید (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) مومنانرا کہ عمل میکنند نیک کہ حصول معرفت حق سبحانہ تعالیٰ باشد و بدرستیکہ مرعارفانرا ست مزدی نیکو کہ فردوس اعلیٰ باشد و درنگ کنندگان باشند و ہمیشہ ماندگان اندران فردوس اعلیٰ۔

☆دارا شکوہ یہ بھی لکھتا ہے:

اس دور کے ختم ہونے کے بعد پھر بعینہ ابوالبشر آدم علیہ السلام پیدا ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس اسی طرح یہ دور زمانہ ہمیشہ گردش کرتا چلا جائے گا۔

# چھٹا باب

## دیوان دارا شکوہ

منظور الحق 1929ء میں "مجمع البحرین" کے انگریزی ترجمے کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ چند سال پہلے بھوپال کے ایک اردو ماہنامہ نگار میں یہ اعلان ہوا کہ دارا شکوہ کا دیوان مل گیا ہے اور رسالے کے ایک آئندہ ایشوع میں اس گراں قدر مسودے کے بارے میں تفصیلات شائع کی جائیں گی۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ لاہور کے ایک پبلشر نے 1927ء میں اعلان کیا تھا کہ رباعیات دارا شکوہ چھپ رہی ہیں لیکن وہ نہیں چھپیں۔ مختلف کتابوں میں دارا شکوہ کے دیوان کا تذکرہ تو تھا لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ آخر کار 1939ء میں خاں بہادر ظفر حسین کے پاس سے اس کا مسودہ مل گیا(1)۔ اس کی دریافت سے پہلے' دارا کی شاعری اس کلام پر مشتمل تھی جو اس کی اپنی کتابوں (مثلاً "سکینتہ الاولیاء' حسنات العارفین' رسالہ حق نما) یا مختلف تذکروں میں مل جاتا ہے۔ یہ حیرانی کی بات تھی کہ دارا کے نثری افکار تو مکمل صورت میں دستیاب تھے' مگر اس کا شاعرانہ کلام غائب ہو چکا تھا۔ ذہن یہ بات قبول نہیں کرتا تھا کہ علماء کے نقطہ نظر سے اس کی انتہائی قابل اعتراض نثری تصانیف "مجمع البحرین" اور "سر اکبر" تو کھلے عام دستیاب ہوں لیکن اس کے شاعرانہ کلام کو بدعت اور ارتداد کا مجموعہ سمجھ کر ضبط کر لیا جائے۔ اب جب کہ یہ دیوان یا کم از کم اس کا ایک بڑا حصہ مل چکا ہے' ہم اس کی شاعری پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ "خزینتہ الاصفیاء" کے علاوہ (جو

دار اشکوہ کی موت کے دو سو سال بعد لکھی گئی) کہیں بھی اس کے دیوان کا نام "اکسیر اعظم" نہیں لکھا ہے۔ ظفر حسن والے مخطوطے میں بھی اسے صرف "دیوان دار اشکوہ" لکھا ہے۔

دار اشکوہ کی سوچ اور فکر سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کے علم و فضل سے کسی کو انکار نہیں۔ فارسی ادب پر اس کی نظر گہری اور مطالعہ بہت وسیع تھا۔ مگر شاعری صرف فکر اور علم و فضل کی بات نہیں ہے۔ فکر میں کتنی ہی گہرائی کیوں نہ ہو' اگر غزلوں میں جذبات کی حرارت اور انداز نگارش میں ندرت نہیں تو شاعری کی حیثیت سے اس کا کوئی مقام نہیں۔ دار اشکوہ کی تمام شاعری مسئلہ وحدت الوجود کے گرد گھومتی ہے۔ اس کے مرشد ملا شاہ اس کی شاعری کو بے مثال اور دل خوش کن بتاتے ہیں۔ لیکن یہ نقطہ نظر غالباً اس کی شاعری کے تصوفانہ رموز کی وجہ سے ہے۔ "خزینتہ الاصفیاء" کے مصنف رقم طراز ہیں (2) کہ اس کے دیوان میں شاندار غزلیں ہیں۔ اس کی شاعری توحید کا سمندر ہے جو اس کی زبان گوہر فشاں سے جاری ہے یا وحدانیت کا سورج ہے کہ اس کی شاعری کے افق سے طلوع ہوتا ہے۔ لیکن اس کی غزلیں یا رباعیات پڑھ کر اس کی شاعرانہ عظمت کا کوئی احساس پیدا نہیں ہوتا۔ کلمات الشعرا میں محمد افضل الدین سرخوش لکھتا ہے (3) کہ دار اشکوہ اچھے مزاج' ارفع تصور اور خوب صورت شخصیت کا حامل تھا۔ ایک صوفی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ صوفیاء کا دوست اور ایک فلسفی تھا۔ قادری سلسلہ سے اپنے تعلق کی وجہ سے اس نے اپنا تخلص بھی "قادری" رکھا تھا۔

دار اشکوہ اپنے دیوان میں اپنی آزاد خیالی کا بار بار کھل کر اظہار کرتا ہے۔ اس کا شاعرانہ تصور مذہبی روایات کی حدود کو پار کر جاتا ہے' چنانچہ قادر / قادری کی تجنیس لفظی کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ وہ کہتا ہے:

قادری گشت قادر مطلق
از پے ہر فنا کمال بقاست

(قادری' قادر مطلق ہو گیا' ہر فنا کے بعد بقا کا کمال ہے)

قادری رود عین قادر شد
چوں مدد کرد قادر بغداد

(جب قادر بغداد (شیخ عبدالقادر جیلانی) نے مدد کی تو قادری (داراشکوہ) جاتا رہا' عین قادر (خدا) ہو گیا)

قادری نیست جز قادر
وحدہ لا الہ الا ہو

(قادر کے سوا کوئی قادری نہیں' وہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں)

اسی طرح لفظ "دارا" پر تجنیس ہے:

چوں بدارائے خویش دل بہ سپرد
قادری نیز عین دارا شد

(جب اس نے اپنا دل اپنے بادشاہ کے سپرد کیا تو قادری (داراشکوہ) بھی مکمل طور پر بادشاہ ہو گیا)

یہاں داراشکوہ کی ایک رباعی تحریر کرنا نامناسب نہ ہو گا:

خویشتن را جدا نمی دانم
لیک خود را خدا نمی دانم
قطرہ را نسبتی کہ با بحر است
بیشتر زیں روا نمی دانم

(اگرچہ میں خود کو (خدا سے) جدا نہیں جانتا ہوں' لیکن میں خود کو خدا (بھی) نہیں سمجھتا ہوں۔ قطرے کو سمندر سے جو نسبت ہے' میں اس سے زیادہ مناسب نہیں جانتا)

نیم صوفی اور جاہل ملا کا عجب و ریا' شاعر کے طنز کے لئے ایک دل پسند موضوع ہے۔ ہم اس سلسلے میں دارا شکوہ کے چند اشعار درج کرتے ہیں:

بہشت آں جا کہ ملائی نباشد
ز ملا شور و غوغائی نباشد
(بہشت وہ جگہ ہے جہاں کوئی ملا نہ ہو' جہاں ملا کا شور و غوغا نہ ہو)

جہاں خالی شود از شور ملا
ز فتویٰ ہاش پروائی نباشد
(دنیا ملا کے شور سے خالی ہو جائے' اس کے فتوؤں کی کوئی پروا نہ کرے)

در آن شہرے کہ ملا خانہ دارد
در آں جا ہیچ دانائی نباشد
(جس شہر میں ملا کا گھر ہو گا' اس میں عقل کی کوئی بات نہیں ہوتی)

ز ابلیس بہ بوالبشر چہ انکار رسید
حق گفت حسین' بر سر دار رسید
از شومئی شر نفس ملایان است
با ہر نبی و ولی کہ آزار رسید
(ابلیس کے انکار سے آدم کا کیا نقصان ہوا؟ حسین (ابن منصور حلاج) نے حق (انا الحق) کہا اور تختہ دار پر پہنچ گیا۔ ہر نبی اور ولی کو جو تکلیف پہنچی' وہ ملاؤں کے شر کی نحوست کی وجہ سے ہے)

ہر کہ مے در جام وحدت در گرفت
زاہدان شہر را چوں خر گرفت
(ہروہ شخص جس نے وحدت کا جام پیا' اس نے شہر کے زاہدوں کو گدھے جیسا جانا)

جملہ عجب و ریاست ایں تقویٰ
کے بود لائق نگار ما؟
(یہ سارا تقویٰ غرور و ریا ہے' یہ ہمارے محبوب کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟)

چند بازی تو بر شریعت خود
احمد مرسل از خدا ست سوا؟
(تو اپنی ہی شریعت (کے زور) پر کب تک کھیلے گا' کیا احمد مرسل' خدا سے مختلف ہیں؟)

پنجاب کا شہر دارا پور اسے عزیز ہے کیونکہ میاں میر وہیں رہے اور دفن ہوئے:

عشق پنجابم نمودہ بے قرار
زانکہ نقش دوست در پنجاب ہست
(مجھے پنجاب کی محبت نے بے قرار کر دیا کیونکہ میرے دوست کا نقش پنجاب میں ہے)

کعبہ من حضرت لاہور دان
سجدۂ من سوئی آں محراب ہست
(شہر لاہور کو میرا کعبہ سمجھ۔ میرا سجدہ اسی محراب کی جانب ہے)

قادری را کعبہ دارا پور شد
کاندراں بسیار فتح الباب ہست

(قادری کے لئے دارا پوری کعبہ ہو گیا کہ یہاں بہت سی مرادیں پوری ہوتی ہیں)

اس کے بہت سے اشعار، فقر کی مدح اور مال و دولت کی قدح میں ہیں۔

سلطنت سہل است، خود را آشنائی فقر کن
قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود؟
(سلطنت (حاصل کرنا) آسان ہے، اپنے آپ کو فقر سے آشنا کر۔ قطرہ جب سمندر بن سکتا ہے تو وہ موتی کیوں بنے؟)

دست زر آلود بدبو مے شود
جان زر آلود را احوال چیست
(زر آلود ہاتھوں سے بدبو آنے لگتی ہے، زر آلود روح کا کیا حال ہے)

روز و شب گوشت بہ مرگ مردم است
مر ترا مردن بود ایں حال چیست
(رات دن تیرا کام لوگوں کی موت کی خبر پر ہے۔ تجھے (بھی) مرنا ہے، (پھر) یہ حال کیوں؟)

مسافر ہر قدر باشد سبکسار
نیابد در سفر تصدیع و آزار
(مسافر جتنا ہلکا پھلکا ہو گا سفر میں وہ اتنی ہی پریشانی نہیں پائے گا)

تو ہم اندر جہاں ہستی مسافر
یقیں می دان اگر ہستی تو ہشیار
(تو بھی دنیا میں مسافر ہے، اگر عقل مند ہے تو اس بات پر یقین کر)

بقدر مال باشد سرگرانی
بقدر پیچ باشد بار دستار
(سرگرانی مال کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ (جس طرح) پگڑی کا بوجھ پیچوں کے مطابق ہوتا ہے)

تو تا باشی بہ دنیا باش آزاد
ترا چوں قادری کردہ خبردار
(تو جب تک دنیا میں ہے' آزاد رہ۔ چونکہ قادری نے تجھے خبردار کردیا ہے)

ایک غزل کے چند اشعار:

ہر کہ ایں را شناخت گو را برد
ہر کہ خود را بباخت او را برد
(جس نے اسے پہچان لیا وہ گوئے سبقت لے گیا۔ جس نے اپنے آپ کو کھو دیا' اسے پالیا)

ہر کہ پائے غمے گرفت و نشست
ساقی و بادہ و سبو را برد
(جس کسی غم کے پاؤں پکڑ لئے اور بیٹھ گیا' وہ ساقی' شراب اور پیالے کو لے گیا)

واں کہ زیں سر نیافت آگاہی
رفت و در خاک آرزو را برد
(اور جو اس راز سے آگاہ نہ ہوا' وہ گزر گیا اور آرزو کو مٹی میں لے گیا)

قادری یار خویش در خود یافت
خود نکو بود' کان نکو را برد
(قادری نے اپنے دوست کو اپنے اندر پایا' وہ خود نیک تھا (اس لئے) نیک کو لے گیا)

اب ہم اردو ترجمے کے ساتھ داراشکوہ کی چند رباعیات پیش کرتے ہیں جو اس کے دیوان سے منتخب کی گئی ہیں۔

تسبیح بمن عجب درآمد بزباں!
گفتہ کہ مرا چرا کنی سرگرداں؟
گر دل بہ عوض ہمہ بگردانی تو
دانی کہ برائے چیست خلق انساں

(تسبیح نے مجھ سے عجیب سی بات کی، کہنے لگی کہ تم مجھے کیوں گھماتے رہتے ہو؟ اگر تم اس سب کے بدلے اپنے دل کی طرف توجہ دو، تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ انسان کو کس لئے پیدا کیا گیا)

کافر گفتی تو از پے آزارم
ایں حرف ترا راست ہمی پندارم
پستی و بلندی ہمہ شد ہموارم
من مذہب ہفتاد و دو ملت دارم

(مجھے تکلیف دینے کے لئے تو نے کافر کہا، میں (بھی) تیری اس بات کو درست سمجھتا ہوں۔ میرے لئے پستی و بلندی سب ہموار ہو گئیں، میرا مذہب بہتر فرقوں والا ہے)

توحید بگویم ار بفہمی بہ ادا
موجود نبود ہیچ گاہ غیر خدا
آنہا کہ تو می بینی و می دانی غیر
در ذات یکیست و در نام جدا

(میں تجھے توحید (کے بارے میں) بتاتا ہوں اگر تو اسے اشارے سے سمجھ جائے، خدا کے سوا کبھی کوئی موجود نہیں رہا ہے۔ جن کو تو دیکھتا اور غیر جانتا ہے، اپنی ذات میں وہ ایک ہیں اور نام سے جدا جدا ہیں)

دریاست وجود صرف ذات وہاب
ارواح و نقوش ہم چو نقش اندر آب
بحریست کہ موج می زند اندر خود
گہ قطرہ، گہ است موج، گاہیست حباب

(ذات حق کا وجود سمندر ہے، ارواح اور اجسام نقش بر آب ہیں، سمندر اپنے اندر خود موجیں مارتا ہے، کبھی قطرہ، کبھی موج اور کبھی بلبلہ ہے)

ہر دم برسد بعارفاں ذوق جدید
خود مجتہد اند نی ز اہل تقلید
شیران نخورند جز شکار خود را
روباہ خورد قّادۂ لحم قدید

(ہر لمحے عارفوں کو نیا ذوق پہنچتا ہے، وہ خود اجتہاد کرنے والے ہیں، اہل تقلید سے نہیں، شیر اپنے شکار کے سوا کچھ نہیں کھاتے۔ یہ لومڑی ہے جو گراپڑا خشک گوشت کھالیتی ہے)

داراشکوہ ایک صوفی شاعر تھا جس کا کلام وحدت الوجود کے اسرار و رموز سے بھرا ہوا ہے لیکن شاعری کے لحاظ سے اس کا درجہ بلند نہیں۔

# حوالے

1-دارا شکوہ' دیوان دارا شکوہ' ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان ' پنجاب یونیورسٹی' لاہور- مخطوطہ: خاں بہادر ظفر حسین' جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال' جلد 5 شمارہ نمبر1-1939ء-

2-منشی غلام سرور چشتی' خزینۃ الاصفیاء' 1283ھ ' لکھنؤ- صفحہ 163-

3-محمد افضل سرخوش' کلمات الشعراء' بتصحیح صادق علی دلاوری' شیخ مبارک علی' لاہور-1943ء- صفحہ 89-

# ساتواں باب

## خطاطی اور مصوری

مغل حکمرانوں کی جمالیاتی حس بہت تیز تھی۔ ان کے ذوق جمال نے ان کو فنون لطیفہ کا قدردان بنادیا تھا۔ ممتاز خطاطوں اور مصوروں کو دربار میں عزت و تکریم سے دیکھا جاتا تھا اور ان میں سے یکتا۔ منفرد افراد کو کوئی نہ کوئی منصب بھی عطا ہوتا۔ ایران کے دو مصوروں کو اپنے دربار سے وابستہ کرکے ہمایوں نے مصوری کے فروغ کے لئے پہلا قدم اٹھایا۔ اس کی حقیقی بنیاد اکبر نے ڈالی جس نے اپنے پچاس سالہ دور حکومت میں فنون لطیفہ کی ہر ممکن طریقہ سے حوصلہ افزائی کی۔ جہانگیر ایک حسن شناس بادشاہ تھا۔ اس کا مصوری کا ذوق بہت عمدہ تھا اور اس کو پرکھنے کے لئے اس میں ایک قدرتی ملکہ موجود تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں یہ فن کمال کی انتہائی بلندیوں کو چھونے لگا۔ شاہجہاں نے حتی المقدور اس اعلیٰ معیار کو قائم رکھنے کی کوشش کی۔ ویسے اس کا نام تاج محل تعمیر کروانے والے کے طور پر یادگار رہ گیا ہے(1)۔ ابوالفضل "آئین اکبری" میں ایک سو سے زائد خطاطوں کی فہرست دیتا ہے۔ ان میں سے سترہ کا اپنے فن کے ماہرین میں شمار ہوتا ہے' اور ان میں سے دو سب سے ممتاز ہیں۔ ایک تو خواجہ عبدالصمد "شیریں قلم" ہیں جو بعد میں اکبری ٹکسال کے امین بن گئے اور دوسرے ایک ہندو' وسونت' جو ابوالفضل کے کہنے کے مطابق سب سے بازی لے گیا(2)۔

اکبر کے زمانے میں خطاطی کی قدر ایک فن کے طور پر ہوتی تھی۔ درباری

خطاط غیر ملکی فرماں رواؤں کے نام بادشاہ کے خطوط اور صوبائی گورنروں کے نام بادشاہ کے فرمان وغیرہ تحریر کرنے میں اپنے فن کی قدرت کا پورا مظاہرہ کرتے تھے۔ آئین اکبری میں ابوالفضل لکھتا ہے کہ ہندوستان' ایران' ترکستان اور ترکی میں خطاطی کے آٹھ نظام چل رہے تھے۔

شہزادہ دارا شکوہ بھی فنون لطیفہ کا بہت قدردان تھا۔ اس نے شاہجہاں بادشاہ کے دربار کے مشہور خطاط آقا عبدالرشید دیلمی سے' جسے تذکرہ خوش نویساں (3) میں خطاطی کی سلطنت کا پیغمبر کہا گیا ہے' خطاطی سیکھی۔ غلام محمد "ہفت رقم" تذکرۂ خوش نویساں میں رقم طراز ہے کہ دارا کا خط نستعلیق اور خط نسخ دونوں بہت عمدہ تھے۔ وہ آقا رشید کا بہترین شاگرد تھا۔ مختلف لائبریریوں میں اس کی خطاطی کے نمونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ نستعلیق اور نسخ دونوں میں باقی لوگوں سے بہت آگے تھا۔ داراشکوہ مصوری کا بھی بہت دلدادہ تھا اور اس کی تکنیک اور قدروقیمت کے بارے میں صائب الرائے بھی ۔ اس کو تصویریں جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔ تصویروں کا البم' جو اس نے اپنی ہمدم و ہمراز بیوی نادرہ بیگم کو پیش کیا' مغل آرٹ کے سب سے قیمتی خزانوں میں سے ہے۔ اس مرقع پر اس کے دستخط بھی ہیں اور یہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے۔ (R • L 944-1908)- اس خوبصورت مرقع کے سرورق کی زرتار زمین پر تحریر ہے:

"یہ مرقع شہنشاہ شاہجہاں کے بیٹے شہزادہ محمد داراشکوہ نے سال 1051ھ (1641-42ء) میں اپنی سب سے چہیتی اور عزیز رفیقہ حیات نادرہ بیگم کو پیش کیا تھا۔"

پرسی براؤن اپنی کتاب "مغل دور میں ہندوستانی مصوری" میں لکھتا ہے(4):

ایک باذوق مغل شہزادے کے فن کارانہ مذاق کو جانچنے کے لئے یہ مرقع دلچسپی سے بھرپور ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ منتخب کرتے وقت بعض کم خوب صورت تصاویر بھی البم میں شامل ہوگئیں' مجموعی حیثیت سے اس مرقع کا مالک میناتور (miniature) تصویروں کا ایک اچھا پرکھنے والا تھا۔ اس نے اپنے فنی نمونوں کو بڑی

ہوشیاری اور سوجھ بوجھ سے جمع کیا تھا۔ اس کی وسیع النظری اس حقیقت سے ثابت ہوتی ہے کہ اس مرقع میں یورپ کے مصوروں کی بنائی ہوئی متعدد کندہ تصاویر بھی شامل ہیں۔ لیکن ان میں بہت کم تصویریں ایسی ہیں جن سے کسی قسم کی شدت یا قوت کا احساس ہوتا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ مرقع /البم کی سب تصویروں کو ان کی نسوانی خصوصیات کی بنا پر منتخب کیا گیا ہو' اس لئے کہ یہ مرقع ایک خاتون کے لئے تحفہ تھا۔ اس مرقع کا ایک مثالی نمونہ تصویر زرد نرگس میں پیش کیا گیا ہے' جس سے اس فن کی نوعیت اور کیفیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس مرقع کی باقی میناتور تصویریں خالص مغل انداز میں ہیں جن کے موضوعات' شبیہیں' جانور' پرندے اور پھول ہیں۔ تصویریں سب اچھی ہیں مگر وہ اس زمانے کی مصوری کے عام اور مروجہ اسلوب فن کا نمونہ ہیں۔ اس لحاظ سے ان میں کوئی امتیازی صفت نہیں۔

فنی افادیت کے علاوہ اس مرقع میں تاریخی کشش ہے اس لئے کہ یہ داراشکوہ کی قسمت میں لکھے ہوئے ایک ایسے افسوس ناک حادثے کا ریکارڈ ہے جس نے اس کی زندگی کی تگ و دو کو ایک تکلیف دہ موت پر ختم کردیا۔ جب داراشکوہ کو شکست ہوئی تو انتہائی بے دردی سے اس کا تعاقب کیا گیا۔ گرفتاری سے بچنے کے لئے اس نے سندھ کے دشوار گزار میدان میں پناہ لی لیکن وہاں بھی دغابازی نے پیچھا نہ چھوڑا۔ جس کو اس نے دوست سمجھا اسی نے غداری کی۔ لیکن اس کی زندگی کی تلخیوں کا جام ابھی لبریز نہ ہوا تھا۔ ایک پیادہ قاصد کے ذریعے اس کو اپنی اس بیوی کی افسوس ناک موت کی خبر ملی جس کو وہ سب سے زیادہ چاہتا تھا اور جس نے زندگی کی ہر مصیبت میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس کو معلوم ہوا کہ گرمی اور پیاس نے اس کی جان لی اور اپنی پیاس بجھانے کے لئے اسے وطن میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ مل سکا۔ شہزادہ اس خبر سے متاثر ہو کر ایسا گرا جیسے بے دم ہوگیا۔ یہ شہزادے کی وہی بیوی تھی جسے اس نے یہ گراں مایہ البم تحفے کے طور پر دیا تھا۔

محمد محفوظ الحق نے داراشکوہ کی کتاب "مجمع البحرین" مرتب کی۔ اس کے تعارف میں انہوں نے دارا کی خطاطی کے کئی ایک نمونوں کا ذکر کیا ہے۔ 1051ھ میں

اس نے ہرن کی کھال پر قرآن مجید لکھا۔ اس میں تمام آیات سونے کے پانی سے لکھی گئی ہیں۔ عنوانات پھول دار ڈیزائن سے مزین ہیں۔ یہ نسخہ حیدر آباد دکن کی عزیز باغ لائبریری میں محفوظ ہے۔ ایک معلا "پنج سورہ" بخط نسخ وکٹوریہ میموریل ہال کے ٹرسٹیوں کے پاس ہے۔ "پند ارسطو" کا ایک نسخہ عمدہ نستعلیق میں وکٹوریہ میموریل ہال کلکتہ میں ہے۔ اس کی تحریر کردہ وصلیاں مختلف مقامات پر محفوظ ہیں۔

بکرماجیت حسرت لکھتا ہے (5) کہ داراشکوہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی "سفینۃ الاولیاء" 1890ء میں لاہور کے دیوان بہادر راجہ نریندر ناتھ کے پاس تھی۔ اس کی تحریر 1049ھ کی ہے۔ یہ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج میگزین، مئی 1934ء کے شمارے میں آیا ہے اور اس کی ایک کاپی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں بھی موجود ہے۔

# حوالے

1- Percy Brown: Indian Painting under the Mughals, Association Press, 1918.

ترجمہ: عبید الحق، ہندوستانی مصوری (عہد مغلیہ میں)، نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، نئی دہلی-1981ء-

2-ابوالفضل، آئین اکبری- مطبع نول کشور، لکھنؤ- اگست 1869ء-

3- غلام محمد، تذکرہ خوش نویساں- بتصحیح مجد ہدایت حسین، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ-1328ھ- صفحہ 95-

4-ہندوستانی مصوری، صفحہ 106-

5-بکرماجیت حسرت، دارا شکوہ (بزبان انگریزی)، منشی رام منوہر لال پبلشرز، نیو دہلی، طبع دوم، 1982ء- صفحہ 162-

# حواشی

☆ عبدالرشید دیلمی جو آقا رشید کے نام سے مشہور ہے۔ میر عماد کا بھانجا اور شاگرد رشید تھا۔ اس نے میر عماد کے بعد ملا میر علی تبریزی کی روش کو درجہ کمال پر پہنچا دیا۔ اس کی شہرت خطہ ایران سے گزر کر ہندوستان تک پہنچ چکی تھی۔ میر عماد کے قتل کے بعد یہ بھی جلا وطن ہو کر پریشان حال تھا' شاہجہاں نے اسے ہندوستان بلا لیا اور یہاں آنے پر شاہزادہ دارا شکوہ کا استاد مقرر کیا۔ اسے پیغمبر ملت خطاطی کہا جاتا ہے۔ تمام عمر مشق خط کرتا رہا۔ بڑھاپے میں بھی مشق نہ چھوڑی۔ خط نستعلیق میں اس مرتبہ کا استاد ہندوستان میں کوئی نہیں ہوا۔ اس خط کی تمام خوبیاں اُس پر ختم ہو گئیں۔ دارا شکوہ کے علاوہ محمد اشرف عبدالرحمٰن اور میر حاجی اس کے نامور شاگرد گزرے ہیں۔ 1081ھ / 71-1670ء میں اس کا انتقال ہوا۔

کہتے ہیں کہ کسی شاعر نے آقا رشید کی تعریف میں ایک قصیدہ پیش کیا۔ اس نے کوئی صلہ دینے کی بجائے وہی قصیدہ لکھ کر اس کو واپس دے دیا۔ شاعر کو معاوضہ نہ ملنے کا افسوس ہوا' مگر جب آقا کے قدردانوں کو معلوم ہوا تو شاعر کو اس قدر رقم دے کر وہ قصیدہ خرید لیا کہ شاعر اس کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔

(مولوی احترام الدین احمد شاغل عثمانی' صحیفہ خوش نویساں' ترقی اردو بیورو' نئی دہلی' طبع دوم' 1987ء- صفحہ 151)

☆ عبدالصمد شیریں رقم شاہ شجاع شیرازی کے وزیر خواجہ نظام الملک کا بیٹا تھا۔ وہ 951ھ / 1544ء میں بمقام بریز ہمایوں بادشاہ کے پاس آیا- پھر 956ھ / 1549ء میں

کابل پہنچ کر باریاب دربار ہوا۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں پہلے فتح پور سیکری کی ٹکسال کا امین مقرر ہوا اور پھر ملتان کا صوبہ دار۔ خط خفی میں یہ کمال تھا کہ خشخاش کے دانے پر قل ہو اللہ لکھ دیتا تھا۔ خط جلی و خفی میں خاص شان تھی۔ شیریں رقم خطاب شاہی تھا۔ قابل ولائق امیر بھی تھا اور عمدہ شاعر بھی۔

(صحیفہ خوشنویساں' صفحہ 154)

☆ اردو کے نستعلیق خط کا ذکر کرتے ہوئے احترام الدین احمد لکھتے ہیں کہ جو مقامی اثرات زبان میں ملیں گے وہی خصوصیات نستعلیق میں نمایاں ہوں گی۔ لکھنؤ کے لب و لہجہ میں جو لوچ' نزاکت اور مٹھاس ملے گی وہی نفاست اور دلکشی و شیرینی لکھنؤ قلم میں نظر آئے گی' اور جو متانت و سنجیدگی دہلی کے اردوئے معلیٰ میں ہے۔ وہی پختگی اور دل آویزی نظافت دہلی قلم کی خصوصیت ہے۔ لاہور کے لب و لہجہ میں جیسا کھلا فرق کان محسوس کریں گے ویسا ہی تفاوت وہاں کے لمبے دائروں اور کھڑی روش سے ظاہر ہوگا۔ رہا دکن تو وہاں جو اثرات زبان دہلی اور لکھنؤ والوں نے چھوڑے ہیں وہی ملا جلا رنگ خط میں ملتا ہے' بلکہ دکن کے مقابلہ میں بہار اور کشمیر قلم میں انفرادیت پائی جاتی ہے۔ رہا شکستہ تو وہ اردو کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ اس لئے کہ جس طرح اردو کا دامن ہر زبان کے جواہرپاروں سے پر ہے اسی طرح خط شکستہ میں بھی عربی و فارسی رسم خط کی ملاوٹ ہے۔

(صحیفہ خوشنویساں صفحہ 27)

☆ شہزادہ مراد کے مطابق دارا شکوہ نے یہ مشق بہم پہنچائی تھی کہ شاہجہاں کے خط میں بالکل اپنا خط ملا دیتا تھا اور فرامین میں شاہجہاں کے دستخط اپنے ہاتھ سے بنا تا تھا۔ چنانچہ وہ ایک خط میں شہزادہ اورنگ زیب کو لکھتا ہے۔ "ملحد (دارا شکوہ) خود تقلید خط اقدس (شاہ جہاں) را بہ مرتبہ کمال رسانیدہ بر فرامین دستخط می کند"۔ مولانا ابوالکلام آزاد رقم طراز ہیں کہ مراد جو خود ایک فریق ہے اور دارا شکوہ کا دشمن' اس کے قول کی سند کس

طرح لائی جاسکتی ہے۔ آزاد کی بات میں وزن نہیں کیونکہ مراد پبلک کے مطالعے کے لئے تاریخ کی کتاب نہیں لکھ رہا' بلکہ اپنے ایک ساتھی (اورنگ زیب) کو اطلاع دے رہا ہے کہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے۔

(شبلی نعمانی' مضامین عالمگیر' مطبع انتظامی' کانپور' 1911ء۔ سید مسیح الحسن (مرتب)' حواشی ابوالکلام آزاد' اردو اکادمی' دہلی' مارچ 1988ء)

# آٹھواں باب

## سر اکبر

"سر اکبر" دارا شکوہ کے قلم سے 50 اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ ہے (1) لیکن اس پر تبصرہ کرنے سے پہلے ہم تصوف' مسئلہ وحدت الوجود اور اپنشدوں کے بارے میں چند ضروری باتیں رقم کریں گے۔

شاہ ولی اللہؒ کے مطابق اسلام کے پہلے دور میں لوگ نمازیں پڑھتے تھے' ذکر و تلاوت کرتے تھے' روزے رکھتے تھے' حج کرتے تھے' صدقہ اور زکوۃ دیتے تھے اور جہاد کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو سرنیچا کئے بحر تفکرات میں غرق نظر آتا۔ یہ بزرگ خدائے تعالی سے قرب و حضوری کی نسبت صرف اعمال شریعت اور ذکر و تلاوت کے ذریعے حاصل کرنے کی سعی کرتے..... ان میں سے کوئی شخص نہ بے ہوش ہوتا اور نہ اسے وجد آتا اور نہ وہ جوش میں آکر کپڑے پھاڑنے لگتا اور نہ خلاف شرع کوئی لفظ اس کی زبان سے نکلتا(2)۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ احساس ہونے لگا کہ اگرچہ نماز' روزہ اور دوسرے فرائض ادا تو کئے جارہے ہیں لیکن اللہ تعالی سے ڈرنے کا جو حق ہے وہ ادا نہیں ہورہا۔ چنانچہ کچھ بزرگوں نے کہ صوف (اون) کا لباس زیب تن کرنے کی وجہ سے صوفی کہلائے' اللہ سے ڈرنے کا حق ادا کرنے کے لئے دنیا سے بے نیازی کا اظہار کیا۔ ان کا مسلک تصوف کہلایا۔ ابتدائی دور میں تصوف اللہ سے تعلق اور تزکیہ نفس ہی کا دوسرا نام تھا۔ شریعت کی پیروی پر پورا پورا زور دیا جاتا تھا۔ لیکن متاخرین صوفیاء نے

ترک دنیا کے ساتھ نفس کشی کو بھی جزو تصوف قرار دیا۔ اس سلسلے میں علامہ ابن الجوزیؒ کہتے ہیں(3):

" شیطان لوگوں کو اس وہم میں ڈالتا ہے کہ زہد ترک مباحات کا نام ہے۔ چنانچہ بعض صرف جو کی روٹی پر گزارہ کرتے ہیں اور بعض پھل نہیں کھاتے اور بعض کھانا کم کردیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بدن سوکھ جاتا ہے اور صوف کا لباس پہن کر اپنے نفس کو سزا دیتے ہیں اور اسی غرض سے ٹھنڈا پانی استعمال نہیں کرتے۔ یہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور نہ آپ کے اصحاب اور تابعین کا۔ جب ان کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو بھوکے رہتے، لیکن جب مل جاتا تو کھاتے تھے۔"

جنہوں نے انسانی نفسیات کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ بعض انسان جب اپنے معاشرے سے ناامید اور مایوس ہو جاتے ہیں تو اس کے رد عمل کے طور پر وہ دنیا سے متنفر ہو کر زندگی بسر کرنے کے لئے رہبانیت کے طریقے اپنا لیتے ہیں۔ تصوف کے ارتقائی مراحل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے آغاز تک مسلم صوفیاء کے یہاں اعمال کی حد تک رہبانیت کے اثرات موجود تھے۔ لیکن کسی خارجی فلسفیانہ فکر کا اضافہ نہیں ہوا تھا۔ مگر حضرت ذوالنون مصریؒ (متوفی 245ھ) کے عہد سے یہ تبدیلی بھی شروع ہو گئی۔ وہ پہلے صوفی ہیں جن کے یہاں خارجی فکر کے اثرات ملتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی 297ھ) کے یہاں یہ اثرات مزید نمایاں ہو جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ اتباع شریعت پر زور دیتے تھے لیکن ان کے یہاں ظاہری علم سے ہٹ کر سوچنے کی بات بھی ہوتی تھی۔

ہندوؤں کے ہاں اوتار کا عقیدہ عام ہے۔ اس عقیدے کی رو سے خدا انسان کی شکل میں نمودار ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہندو رام چندر اور کرشن سے لے کر موہن داس کرم چند گاندھی تک کو اوتار مانتے رہے ہیں۔ جن لوگوں نے اسلام کا نام لے کر اس عقیدے کا اعلان کیا ان میں حسین بن منصور حلاج کا نام بھی آتا ہے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ جب معاشرہ انحطاط پذیر ہوتا ہے تو خدا کسی انسان کی شکل میں اس کرہ ارضی پر نمودار

ہوتا ہے۔ اس کی ذات اس انسان میں حلول کر جاتی ہے۔ یہ سمجھ کر کہ خدا کی ذات اس میں حلول کر گئی ہے، حسین بن منصور حلاج نے "انا الحق" کا نعرہ بلند کیا۔ حلول کا عقیدہ صاف صاف کفر دکھائی دیتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو ایک انسانی شکل میں مقید کر دیتا ہے۔ اس لئے اسے حلول مقید بھی کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ مسلمانوں میں قبول عام نہ پاسکا۔ صوفیاء نے اس حلول مقید کو حلول عام میں تبدیل کردیا۔ عام فہم زبان میں انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ کائنات میں کوئی شے اپنا حقیقی وجود نہیں رکھتی۔ جو کچھ نظر آتا ہے، سب خدا ہی ہے، یعنی خدا ہر شے ہے اور ہر شے خدا ہے۔ اس کو تصوف کی اصطلاح میں عقیدہ "وحدت الوجود" کہتے ہیں۔ محی الدین ابن عربی پہلے شخص ہیں جنھوں نے مسلمانوں میں "وحدت الوجود" کے تصور کو منظم و مستحکم کیا۔ بعد میں دوسرے لوگوں نے اسے آگے بڑھایا۔ یہ لوگ کیفیات و احوال کی منزل سے آگے بڑھ کر خدا اور کائنات کے اسرار و رموز پر بحث کرنے لگے (4)۔

ابن عربی کے نزدیک بھی حلول مقید کفر ہے کیونکہ ان کے ماننے والے خدا کو ایک خاص شکل و صورت میں محدود کر دیتے ہیں۔ اس کے نقطہ نظر سے اگر کائنات کی ہر چیز کو خدا کہا جائے تو یہ اصل توحید ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب " فصوص الحکم " کے باب " فص موسوی " میں لکھتے ہیں: " فرعون کو ایک طرح سے حق تھا کہ انا ربکم الاعلی کہے کیونکہ فرعون ذات حق سے جدا نہ تھا اگرچہ اس کی صورت فرعون کی سی تھی"۔ باب "فص نوحی" میں کہتے ہیں کہ اگر حضرت نوح اپنی قوم کو صحیح طریقے سے دعوت دیتے تو قوم کو دعوت قبول کرنے میں دشواری نہ ہوتی۔ "فص ہارونی " میں رقم طراز ہیں کہ حضرت ہارون کی نسبت حضرت موسیٰ زیادہ جانتے تھے کہ بچھڑے کی پوجا کرنے والوں نے اصل میں کس کی عبادت کی۔ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو جو تنبیہ کی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا سے منع کرتے تھے۔ حالانکہ عارف وہ ہے جو ہر شے میں حق کو دیکھے۔ ابن عربی کے نزدیک یہ کہنا غلط ہے کہ خدا عیسیٰ ابن مریم ہے کیونکہ کائنات کی ہر چیز خدا ہے۔ اس کے نزدیک بت پرستوں کا کفر بھی یہی تھا کہ وہ چند مظاہر کو

خدا سمجھتے تھے اور باقیوں کا انکار کرتے تھے(5)۔

قصہ مختصر یہ کہ ابن عربی کے نزدیک مخلوقات کا اپنا کوئی ذاتی وجود نہیں۔ اس انکار سے انسان کی زندگی کی پوری داستان بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں اور لوگوں کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور علامہ محمد اقبالؒ نے بھی اس نظریئے کی شدید مخالفت کی۔ اور کہا کہ نہ صرف خدا خالق ہے اور کائنات اس کی مخلوق۔ بلکہ خدا اپنی کائنات سے ماورا ہے۔ انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ فنافی الاحکام حق تعالیٰ ہو۔

الطاف احمد اعظمی کہتے ہیں(6) کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ وحدت الوجود کا نظریہ اسلام سے بہت پہلے موجود تھا۔ اس کے ماخذوں میں اپنشد بھی شامل ہیں۔ اس لئے آیئے اب ہم اپنشدوں کی تعلیم پر غور کریں:

اپنشد ہندووں کی مقدس کتاب وید کے اختتامی حصے ہیں۔ اس لئے انہیں ویدانت بھی کہتے ہیں۔ اپنشدوں میں حقیقت اعلیٰ (خدا) کی تعریف یوں کی گئی ہے: مقتدر اعلیٰ (Almighty) لامحدود (Infinite) ازلی (Eternal) ناقابل ادراک (Incomprehensible) واجب الوجود (Self existent) خالق (Creator) قیوم (Preserver) ہالک (Destroyer)' دنیا کی روشنی اور آقا (Lord) ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اپنشدوں کے مطابق انسان کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ وہ حقیقت اعلیٰ کا عرفان حاصل کرے جس نے ایسا کر لیا اسے نجات حاصل ہو گئی(7)۔ اپنشدوں میں اکثر مقامات پر حقیقت اعلیٰ کے لئے "برہمن" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اسی کو کائنات کی مرکزی قوت تسلیم کیا گیا ہے۔ تمام دوسری قوتیں اسی سے نکلتی ہیں۔ اس کو برہما بھی کہتے ہیں' یعنی خالق کائنات۔ برہمن اصل ہے اور "برہما" اس کی ایک صفت(8)۔

اپنشد کہتے ہیں کہ آگ' وقت' سانس' غذا' وشنو وغیرہ دراصل حقیقت اعلیٰ (برہمن) کے مظاہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی کائنات کی ہر شے میں خدا موجود ہے۔ اس لئے جو لوگ کائناتی قوتوں میں سے کسی قوت کی عبادت کرتے ہیں وہ بھی غلط نہیں ہیں کہ

بالواسطہ یہ اسی کی عبادت ہے۔ ثنویت کو باقی رکھنے کے ساتھ ہی اپنشدوں نے دیوتاؤں کو برہمن کا تابع کہا ہے وہ اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ آگ اس کی مرضی کے بغیر گھاس کا ایک تنکہ بھی نہیں جلا سکتی۔ اسی کے حکم سے آگ جلتی ہے' سورج چمکتا ہے اور اسی کے حکم سے موت' ہوا اور بادل اپنے اپنے فرائض انجام دیتے ہیں(9)۔

گویا اپنشدوں میں مرکزی اقتدار کا تصور واضح ہونے کے باوجود دیوتاؤں کو ختم نہیں کیا گیا بلکہ ان کو مرکزی اقتدار کے اجزائے ترکیبی کی حیثیت سے باقی رکھا ہے(10)۔

ویدانتی فلسفہ کے مطابق اگر روح عالم (برہما) ایک لمحہ کے لئے بھی عالم سے الگ ہو جائے تو تمام مادی اشیاء جو اس سے قائم ہیں' نابود ہو جائیں۔ اس لئے عالم مادی کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ دنیا "برہما" سے نکلی ہے لیکن یہ اس طرح نہیں جس طرح تخم سے شجر نکلتا ہے' بلکہ اس طرح جیسے کرنیں سورج سے نکلتی ہیں۔ اپنشدوں کے مطابق برہما عالم موجودات سے ماورا نہیں ہے بلکہ اسی میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ اسی سے تمام اشیاء نکلی ہیں اور نکل کر اسی میں رہتی ہیں اور (بعد فنا) اسی میں چلی جاتی ہیں(11)۔

اپنشدوں کا نظریہ خدا کو کائنات سے ماوراء نہیں سمجھتا بلکہ اسی میں سرایت کئے ہوئے کہتا ہے۔ عبادت کا مفہوم احکام خداوندی کی تعمیل نہیں بلکہ اس کی ذات کا عرفان ہے۔ اس لحاظ سے یہ "وحدت الوجود" کے نظریے سے ہم آہنگ ہے۔ اسی کے پیش نظر دارا شکوہ نے جو وحدت الوجودی نظریے کا بڑا علم بردار تھا' 50 اپنشدوں کا "سر اکبر" کے نام سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ 6 مہینوں میں مکمل ہوا۔ "اپ" کا مطلب نزدیک ہے۔ "نی" کا مطلب نیچے اور "سد" کا مطلب بیٹھنا ہے۔ گویا "اپنشد" کا مفہوم شاگرد کا استاد کے نزدیک بیٹھ کر اس کی رازدارانہ باتیں سننا ہے۔ اس ترجمے کی سب سے بڑی خوبی اس کی سادگی میں ہے۔ اپنی روانی اور سادگی کے لحاظ سے یہ فارسی کے بہترین نمونوں میں سے ہے۔ اس کتاب کے تعارف میں دارا شکوہ نے بتایا ہے کہ اس نے یہ ترجمہ کیوں کیا۔ اگرچہ اس نے تصوف کے بارے میں بہت سی تصنیفات کا مطالعہ کیا تھا اور خود بھی اس موضوع پر کئی رسالے تحریر کر چکا تھا' اس کے باوجود توحید کے وسیع سمندر پر

عبور حاصل کرنے کے لئے اس کی آرزو شدید سے شدید تر ہوتی گئی۔ اس کے ذہن میں نئے نئے مسائل آرہے تھے۔ جن کا حل فرمودہ خداوندی سے رجوع کئے بغیر ناممکن تھا۔ داراشکوہ کہتا ہے کہ قرآن مجید زیادہ تر استعاروں میں ہے اور اس دور میں وہ حضرات جو اس کی باریکیوں سے واقف ہوں بہت کم ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں بہت سے سربستہ راز ہیں جن کا شارح ملنا بہت دشوار ہے۔ اس لئے میں نے تمام الہامی کتابوں کو پڑھنا چاہا کیونکہ خدا کی باتیں ایک دوسرے کی وضاحت و تشریح کرتی ہیں۔ میں نے توریت' انجیل' زبور اور فرقان کا مطالعہ کیا' لیکن ان الہامی کتابوں میں توحید کا ذکر مختصر اور ایک خلاصے کی شکل میں تھا۔ اس کے بعد میں نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور یہ دیکھا کہ ان میں تصور وحدانیت نمایاں ہے۔ نیز قدیم مسلک کے علمائے ظاہری و باطنی' وحدت کے منکر نہیں بلکہ توحید پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔ برخلاف اس وقت کے جہلاء کے جو اپنے آپ کو علماء قرار دیتے ہیں اور ہروقت خداشناسوں اور موحدان کے کفر و انکار سے انہیں تکلیف و آزار دیتے رہتے ہیں۔ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ جس کے پاس رسول نہ آیا ہو۔ داراشکوہ لکھتا ہے کہ ہندوستان میں چار الہامی کتابیں' چار وید' انبیاء وقت پر کہ ان میں سب سے بزرگ حضرت آدمؑ ہیں' نازل ہوئیں۔ ویدوں میں پائے جانے والے توحید کے اشعار اپنشدوں میں جمع کئے گئے ہیں اور ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر اس کے ذہن میں کوئی بھی مشکل مسئلہ یا ارفع خیال آیا جو اس کی بہترین کوششوں کے باوجود حل نہ ہو سکا تو اس قدیم کتاب کی مدد سے وہ مسئلہ واضح اور وہ عقدہ وا ہو گیا۔ داراشکوہ کے مطابق یہ پہلی آسمانی کتاب ہے۔ یہ توحید کا سرچشمہ ہے اور قرآن سے ہم آہنگ ہے یا یوں کہئے کہ اس کی شرح ہے۔

داراشکوہ کے مطابق قرآن کی مندرجہ ذیل آیت میں "کتاب مکنون" سے مراد اپنشد ہیں:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ (سورہ واقعہ '56:80-77)
(بے شک یہ قرآن گرامی قدر ہے۔ یہ ایک پوشیدہ کتاب (لوح محفوظ) میں ہے۔ اسے پاک لوگوں کے سوا ہاتھ نہیں لگاتے۔ تمام جہانوں کے رب (کی طرف) سے اتارا ہوا ہے۔)

دارا شکوہ لکھتا ہے کہ مندرجہ بالا آیت نہ تو زبور' توریت اور انجیل اور نہ ہی لوح محفوظ سے متعلق ہے کیونکہ موخرالذکر کے بارے میں تنزیل کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا' چونکہ اپنشد ایک راز ہیں اور قرآن کی آیات حرف بحرف اس میں مل جاتی ہیں' اس لئے یہ بات یقینی ہے کہ کتاب مکنون کا اشارہ اپنشدوں کی طرف ہی ہے۔ دارا شکوہ کی یہ تشریح صحیح نہیں۔ کیونکہ تنزیل کا لفظ لوح محفوظ کے لئے نہیں بلکہ قرآن مجید کے لئے ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی" "تفہیم القرآن" میں لکھتے ہیں (12) کہ لوح محفوظ ایک ایسا نوشتہ ہے جو چھپا کر رکھا گیا ہے' یعنی جس تک کسی کی رسائی نہیں ہے۔ قرآن کے اس میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے رسول اکرم پر نازل کئے جانے سے پہلے قرآن لوح محفوظ میں تحریر ہو چکا اور اس میں کی تبدیلی کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ وہ ہر مخلوق کی دست رس سے بالا تر ہے۔ کفار مکہ رسول اکرم ﷺ کو کاہن قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تمام کلام آپ پر جن اور شیاطین القا کرتے ہیں۔ قرآن نے اس کا یہ جواب دیا کہ لوح محفوظ کو مطہرین (یعنی فرشتوں) کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ شیاطین تو اس کے قریب پھٹک بھی نہیں سکتے۔ فرشتوں کو "مطہرین" اس لئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر قسم کے ناپاک جذبات اور خواہشات سے پاک رکھا ہے۔

دارا شکوہ کہتا ہے کہ اس کام (ترجمے) میں اس کا مقصد سوائے اس کے کچھ اور نہیں کہ وہ خود' اس کی اولاد' اس کے دوست اور متلاشیان حق اس کے ثمر سے لطف اندوز ہوں۔ ہر وہ شخص جس پر خدا کا لطف و کرم ہے اور جس نے تمام تعصبات کو الگ کر دیا ہے' جب اس ترجمے کو پڑھے اور سمجھے گا تو اپنشدوں کو الہامی ملفوظات جانے گا۔ اسے نہ کوئی تشویش ہو گی نہ ڈر نہ رنج اور وہ خدا کے فضل و کرم سے مضبوط و توانا ہو گا۔

اپنشدوں کے فلسفے کو یورپ میں متعارف کرنے کا کریڈٹ دارا شکوہ کو جاتا ہے۔ اس نے 50 اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ کیا جس سے سنسکرت زبان سے ناآشنا لوگ بھی ان کے مضامین سے آگاہ ہوگئے' لیکن ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک یہ ترجمہ ہندوستان تک ہی محدود رہا۔ پھر ایک عجیب اتفاق سے یہ یورپ پہنچ گیا۔ وہ اس طرح کہ 1775ء میں ڈیوپرون (Duperon) کو برنئے (Bernier) کی وساطت سے ہندوستان سے "سراکبر" کا ایک مسودہ مل گیا۔ اس نے اس کا فرانسیسی اور لاطینی زبانوں میں ترجمہ کر ڈالا اور 2-1801 میں پیرس سے دو جلدوں میں شائع کیا۔ اس ترجمے میں ایک مفصل تعارف اور بہت سے حواشی ہیں۔ جرمن فلاسفر شوپنہار (Schopenhaur) کو اس لاطینی ترجمہ کی ایک کاپی مل گئی - اس نے اس کا بغور مطالعہ کیا۔ میکس ملر (Max Muller) کہتا ہے کہ یہ ترجمہ اس موضوع سے سکالرز کے بے حد لگاؤ کے باوجود انتہائی غیرواضح انداز میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کی بھول بھلیوں میں صحیح راستے کا سراغ لگانے کے لئے شوپنہار جیسے فلسفی کی ژرف نگاہی درکار تھی۔ شوپنہار نے اس کتاب کی اہمیت کو محسوس کیا اور اس کی دریافت کو انیسویں صدی کا عظیم کارنامہ قرار دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ثانوی ترجمہ اہم ترین تاریخی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ پہلا کام ہے جو ہندوستانی فلسفہ کو مغرب کے علم میں لایا۔ شوپنہار کہتا ہے کہ اپنشد ایک ناقابل یقین زمانے کے ہیں۔ یہ فکر کے وسیع خزانے ہیں جو ایک خوفناک طرز کلام کے نیچے دفن تھے' اور جن کا مطالعہ دنیا میں سب سے زیادہ صلہ دینے والا اور سرفراز کرنے والا ہے۔ نیز یہ کتاب اس کی زندگی کی تسلی اور موت کا اطمینان ہے۔ وہ اس ترجمے کے لئے دارا شکوہ کو زبردست خراج عقیدت ادا کرتا ہے۔

دارا شکوہ کے کہنے کے مطابق اس نے اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ اپنے لئے' اپنے بچوں کے لئے' اپنے دوستوں کے لئے اور متلاشیان حق کے روحانی فیض کے لئے کیا تھا۔ فارسی اس زمانے میں مشرق میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی زبان تھی' اور بہت سے یورپی سکالرز بھی اسے بخوبی سمجھتے تھے۔ اس لئے یہ ترجمہ ان لوگوں کی پہنچ میں آگیا جو

ہندوستان کے مذہبی لٹریچر سے دلچسپی رکھتے تھے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ہندوستان میں "سراکبر" میں کوئی خاص دلچسپی پیدا نہ ہوئی۔ مسلمانوں نے اس کی زیادہ پروا نہ کی اور اسے زیادہ تر صرف دربار کے ہندو امرا نے، جو فارسی زبان سے آگاہ تھے، پڑھا اور آج بھی یہ ایک بھولی بسری کہانی کی طرح ہے(13)۔

ترجمے کی صحت اور خوبی کے بارے میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ داراشکوہ کا اپنا دعویٰ یہ ہے کہ اس نے توحید کے اس خزانے کو جس کے ماہرین ہندوؤں میں بھی خال خال ملیں گے، رواں انداز میں حرف بحرف ترجمہ کردیا۔ جن لوگوں نے سنسکرت کے مسودے سے اس کا مقابلہ کیا ہے وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔

دارا شکوہ نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ ترجمے میں اسلامی اسلوب اور اصطلاحات اختیار کی جائیں تاکہ پڑھنے والے کو آسانی ہو۔ اس سے "سراکبر" میں ایک شاندار ترجمے کے وقار سے بڑھ کر ایک طبع زاد کام کا سحر محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے "مہادیو" کے لئے "اسرافیل" "وشنو" کے لئے "میکائیل" "برہمان" کے لئے "جبریل" "برہم لوک" کے لئے "سدرہ المنتہیٰ" "آکاش وانی" کے لئے "وحی" اور "مہاپرلی" کے لئے "قیامت" کے الفاظ استعمال کئے ہیں(14)۔

بحیثیت مجموعی، یہ ترجمہ نہایت عمدہ اور قابل تعریف ہے۔

# حوالے

1- دارا شکوہ' سر اکبر' مخطوطہ' کلکتہ یونیورسٹی لائبریری- و مخطوطہ نمبر103 E/' ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال- و مخطوطہ نمبر50' نظام سٹیٹ لائبریری' حیدر آباد- و مرتبہ ڈاکٹر تارا چند و سید محمد رضا جلالی نائینی' طبع تہران-1957ء-

2- شاہ ولی اللہ' ہمعات' شاہ ولی اللہ اکیڈمی' حیدر آباد' سندھ- صفحہ16-

3- علامہ ابن جوزی' تلبیس ابلیس- صفحہ 151- ترجمہ: ابو محمد عبدالحق ' کارخانہ تجارت کتب' کراچی- صفحہ211-

4- الطاف احمد اعظمی' وحدت الوجود: ایک غیر اسلامی نظریہ' قاضی پبلشرز' نیو دہلی' انڈیا-1993ء-

5- محی الدین ابن عربی' فصوص الحکم (مع تعلیقات بقلم ابوالعلا عفیفی)' دار احیاء الکتب العربیہ-1946ء- ترجمہ از محمد عبدالقدیر صدیقی' نذیر سنز پبلشرز' اردو بازار' لاہور-1992ء- فص موسوی: صفحہ 211 ترجمہ: صفحہ415- فص ہارونی: صفحہ192 ترجمہ: صفحہ384- فص نوحی: صفحہ70 ترجمہ صفحہ58- ساجد علی' الاعلام' لاہور- جلد1' شمارہ5' ستمبر1982ء-

6- وحدت الوجود' صفحہ26-

7- بحوالہ: رادھا کرشنن' انڈین فلاسفی' جلد اول

The New Encyclopedia of Religion: Vol.15, p207-8

F.Max Muller, Sacred Books of the East, Vol.34, p59

9- وحدت الوجود' صفحہ27

10-انڈین فلاسفی: جلد اول صفحہ 144-وحدت الوجود صفحہ 28

11-انڈین فلاسفی' جلد اول-

12- ابوالاعلیٰ مودودی' تفہیم القرآن' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور- جولائی 1994ء- جلد پنجم' صفحہ 291-

13-Sacred Books of the East

14-بکرماجیت حسرت' دارا شکوہ (بزبان انگریزی)' منشی رام منوہر لال پبلشرز' نیو دہلی' طبع دوم' 1982ء-

# حواشی

☆ اپنشد یہ بھی کہتے ہیں کہ تمام چیزوں کا قیام اسی (یعنی خدا) پر منحصر ہے لیکن وہ خود کسی پر منحصر نہیں ہے۔

نا مناسب نہ ہوگا اگر ہم اس بیان کی مناسبت سے یہاں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی زبان سے ایک واقعہ بیان کر دیں۔

شاہ صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "اللہ الصمد" کے معنی میں مجھے ہمیشہ تردد رہا کہ "اللہ بے نیاز ہے" سے دل کو کوئی تسکین نہ ہوتی۔ جیل میں شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن مجید دیکھ رہا تھا کہ اچانک خیال آیا کہ دیکھیں شاہ صاحب کیا لکھتے ہیں۔ جب وہ جگہ نکالی تو حضرت نے ترجمہ کیا تھا۔ "اللہ نرادھار ہے" میں جیل کے ایک ساتھی پنڈت بنکی شرما کے پاس گیا' وہ ایک عالم اور فاضل آدمی تھا۔ اس سے پوچھا کہ یہ لفظ کیا ہے؟ وہ دیکھتے ہی جھومنے لگا' اور واہ واہ کے نعرے بلند کرنے شروع کر دیئے۔ میں نے چند لمحے انتظار کے بعد کہا' کیا عجیب آدمی ہیں۔ میں انتظار میں ہوں اور آپ اپنے ہی آپ لطف لے رہے ہیں۔ مجھے بھی تو علم ہو کہ کیا ہے اور کیا معنی ہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ نرادھار اور یہ اس ذات پر بولا جاتا ہے جس کا کام کسی بن نہ اڑے اور جس بن کسی کا کام نہ بنے۔ فرمایا' تب مجھے تسکین ہوئی اور یوں محسوس ہوا جیسے گمشدہ متاع مل گئی ہو۔

☆ داراشکوہ کا تحریر کردہ "سراکبر" کا دیباچہ حسب ذیل ہے۔

حمد ذاتیکہ نقطۂ بائی بسم اللہ در جمیع کتب سماوی از اسرار قدیم (اوست) والحمد

که ام الکتاب است، در قرآن مجید اشاره به اسم اعظم اوست، وجمیع کتب سماوی و انبیا واولیا ہمہ مندرج در ایں اسم است و صلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد الہ واصحابہ اجمعین۔

امابعد چوں ایں فقیر بی اندوہ، محمد داراشکوہ در 1050ھ یک ہزار و پنجاہ ہجری به کشمیر جنت نظیر رفتہ بود، و بجاذبہ عنایت الٰہی و فضل نامتناہی، سعادت ارادت اکمل کاملان، زبدۂ عارفان، استاد استادان، پیر پیران، پیشوائے پیشوایان، موحد حقائق آگاہ حضرت ملا شاہ سلمہ اللہ دریافت۔ وچوں ذوق دیدن عارفان ہر طائفہ و شنیدن سخنان بلند توحید بہم رسیدہ بود و اکثر کتب تصوف بنظر در آوردہ و رسالہ ہا تصنیف کردہ بود و تشنگئ توحید کہ بحریست بی نہایت، دمبدم زیادہ می شد و مسئلہ ہائے دقیق بخاطر می رسید کہ حل آں جز بکلام الٰہی و اسناد (ارشاد) ذات نامتناہی امکان نداشت، وچوں قرآن کریم و فرقان عظیم اکثری مرموز است و امروز دانندۂ آں رمز کمیاب، خواست کہ جمیع کتب سماوی را بہ نظر در آورد، تا ازہمہ کلام الٰہی کہ تفسیر خود است اگر در کتابی مجمل باشد در کتابہائے دیگر مفصل یافتہ شود وازاں تفصیل آں اجمال دانستہ شود۔ نظر بر توریت وانجیل و زبور و فرقان و دیگر مصحف انداخت، امابیان توحید در آنہا ہم مجمل و مرموز بود، واز ترجمہ سہلی کہ اہل غرض (کردہ) بودند، مطلوب معلوم نہ گردید۔

پس درپئی آں شد کہ ازچہ جہت در ہندوستان وحدت عیاں، گفتگوئے توحید بسیار است وعلمائے ظاہری و باطنی طائفہ قدیم ہند را بر وحدت انکاری و بر موحدان گفتاری نیست بلکہ پایہ اعتبار است۔ برخلاف جہلائے ایں وقت کہ خود را علما قرار دادہ اند و درپئی قیل و قال و آزار و بہ کفر و انکار خدا شناسان و موحدان افتادہ، جمیع سخنان توحید را کہ از فرقان حمید واحادیث صحیح نبوی صریح ظاہر است، روی نمایند و راہ زنان راہ خدا اند۔

بعدازیں مراتب معلوم شد کہ درمیان ایں قوم قدیم، پیش از جمیع کتب سماوی، چہار کتب آسمانی کہ رگ بید و جُجر بید و سام بید واتھربن بید باشد، بر انبیائے آں وقت کہ بزرگ ترین آنہا برہما کہ آدم صفی اللہ است، باجمیع احکام نازل شدہ وایں معنی از ہمیں کتابہا ظاہر است۔ واز قرآن مجید نیز معلوم می شود کہ ہیچ قومی نیست کہ بے کتاب و پیغمبر

باشد' چنانچہ می فرماید: وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ودر آیت دیگر: وان من امہ الا خلا فیھا نذیر و ودر جائے دیگری فرماید: لقد ارسلنا رسلنا بالبینت وانزلنا معھم الکتب والمیزان۔ پس ازیں مشخص شد کہ اللہ تعالیٰ ہیچ قومی راعذاب نکند تا آنکہ رسول در آں قوم مبعوث نہ شدہ باشد' وہیچ امتی نیست کہ در آں پیغمبری نہ گزشتہ باشد' وتحقیق کہ فرستادہ است رسولان را با معجزات ظاہر و نازل شدہ است بہ ایشاں کتابی و میزان۔

وخلاصہ ایں چہار کتب راکہ جمیع اسرار سلوک واشغال توحید صرف در آں مندرج است' اپنکھت می نامند وابنائے آں زبان بر آں تفسیرہائے بہ شرح وبسط تمام نوشتہ اند وہمیشہ آنرا بہترین عبادت دانستہ اند۔ ایں حق جوئی خود مبین راچوں نظر بر اصول وحدت ذات بود' نہ بر زبان عربی و سریانی و عبرانی و سنسکرت' خواست کہ ایں اپنکھت ہارا کہ گنج توحید است ودانندگان او در آں قوم ہم کم ماندہ اند' بزبان فارسی' بی کم و زیاد' وبی غرض نفسانی' بعبارت راست' لفظاً۔ بلفظاً۔ ترجمہ نمود۔ بفہمد کہ ایں جماعہ کہ آں را از اہل اسلام ایں قدر پوشیدہ و پنہاں می دارند' در آں چہ سراست؟

وچوں در ایں ایام بنارس کہ دارالعلوم ایں قوم است' تعلق بہ ایں حق جو داشت' پنڈتان وسنیاسیان راکہ سرآمد وقت وبید واپنکھت دان بودند' جمع ساختہ' خود ایں خلاصئہ توحید راکہ اپنکھت ہا یعنی اسرار پوشیدنی باشد ومنتہائے مطلب جمیع اولیاءست' در 1067ھ ہزار و شصت و ہفت ہجری' بے غرضانہ ترجمہ نمود و ہر مشکلے و ہر سخن بلندی کہ می خواست و طالب آں بود و جست و نمی یافت' ازیں خلاصئہ کتاب قدیم کہ بے شک و شبہ اولین کتب سماوی و سرچشمہ بحر توحید است و مطابق قرآن مجید بلکہ تفسیر آنست' یافت۔

وصریح ظاہر می شود کہ ایں آیت بعینہ در حق ایں کتاب است: انہ لقرآن کریم فی کتب مکنون لا یمسہ الا المطہرون تنزیل من رب العالمین یعنی قرآن کریم در کتاب است کہ آں کتاب پنہاں است و او را ادراک نمی کند مگر دلی کہ مطہر باشد' و نازل شدہ از پروردگار عالمیان است۔ و مشخص و معلوم شد کہ ایں آیت در حق زبور و

توریت و انجیل نیست و ازلفظ تنزیل چنیں ظاہری گردد کہ در حق لوح محفوظ ہم نیست و چوں اینکت کہ سرپوشیدنی است' اصل ایں کتاب است و آیت ہائے قرآن مجید بعینہ در آں یافتہ ی شود' پس تحقیق کہ کتاب مکنون ایں کتاب قدیم باشد' وازیں فقیر نادانستہ ہا راوانستہ ونافہمیدہ ہارا فہمیدہ شد۔

وقت شروع در ترجمہ از مصحف مجید فال کشودہ و سورۂ اعراف بر آمد کہ اول ایں آیت: المص' کتب انزل الیک فلا یکن فی صدرک حرج منہ لتنذر بہ و ذکری للمومنین یعنی الف' لام' میم' صاد' کتابیست کہ نازل کردہ شدہ بہ سوئی توای محمد صلعم' پس نباشد در سینہ تو شکی از آں کتاب' و بیم کنی مردمان را وپندیست مومنان را۔

وبغیراز مستفید شدن خودو آل خودو دوستان خودو طالبان حق مطلبی و مقصودی نبودہ۔ سعادت مندی کہ غرض نفس شوم گزاشتہ خالصا۔لوجہ اللہ' ایں ترجمہ راکہ بہ "سر اکبر" موسوم است' ترجمہ کلام الٰہی دانستہ' ترک تعصب نمودہ بخواند و بفہمد' بے زوال و بے خوف و بے اندوہ رستگار مؤبد خواہد شد۔

☆ وید کا مطلب ہے علم' اور مراد اس سے الہامی علم ہے جس کا منبع انسانی فہم و فراست نہیں اور وہ بغیر فکر کے حاصل ہوتا ہے۔ یہ روایاتی علم سے مختلف ہے جو پرانی نسلوں سے آنے والی نسلوں کو ملتا رہتا ہے۔ اکثر ہندوؤں کے مطابق وید الہامی اور دائمی ہیں۔ان کی تعلیم جامع ہے۔ان ویدوں کا ایک فرد کی پوری زندگی پر اطلاق ہوتا ہے۔

وید چار ہیں: رگ وید۔ سام وید۔ یجور وید اور اتھرو وید۔

ان کے ساتھ بعض ضمیمے بھی منسلک ہیں جو وضاحتی یا فلسفیانہ طرز کے ہیں۔

ڈاکٹر تارا چند کہتے ہیں کہ بہت طویل مدت تک ویدوں کو تحریر میں نہیں لایا گیا۔ وہ صرف یادداشت میں محفوظ تھے۔ اس بات کا غیر معمولی دھیان رکھا گیا کہ اس کتاب میں ذرا بھر بھی تبدیلی نہ ہو۔ اس کا کریڈٹ برہمنوں کو جاتا ہے۔ جنھوں نے اپنے ذمے یہ مشکل کام لیا۔ انہیں اس کام میں حیرت انگیز کامیابی ہوئی۔ چنانچہ وید قرنوں سے

مکمل اور بغیر کسی تبدیلی کے چلے آرہے ہیں۔ لیکن تارا چند اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل پیش نہیں کرتے۔

# نواں باب

## داراشکوہ کے خطوط

داراشکوہ کی رگ رگ میں تصوف رچا ہوا تھا' مشہور صوفیوں کے نام اس کے خطوط اس بات کے شاہد ہیں۔ سرمد کاشانی' شاہ محمد دلربا' شیخ محب اللہ الہ آبادی اور ملا شاہ کے نام خطوط میں اس نے تصوف کے چند دقیق نکات سے آگاہی چاہی ہے۔ چنانچہ سرمد کاشانی کے نام اپنے خط میں وہ رقم طراز ہے(1):

"پیرو مرشد من! ہر روز قصد ملازمت دارد' میسر نمی شود' اگر من منم' پس ارادہ من معطل چرا؟ واگر من نیستم' چہ تقصیر مرا؟ قتل امام حسین اگرچہ مشیت ایزدی است' پس یزید درمیان کیست؟ اگر غیر مشیت است' پس معنی یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ○ و یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ○ چیست؟ نبی مختار بہ جنگ کفار می رفت' شکست در لشکر اسلام می افتاد۔ علمائے ظاہری گویند کہ تعلیم صبراست منتہی را تعلیم چہ درکار؟"

سرمد بایں بیت پاسخ داراشکوہ رامی دہد:

اے عزیز:

ما آنچہ خواندہ ایم' فراموش کردہ ایم<br>الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

میرے پیرو مرشد' ہر روز ملاقات کا ارادہ ہوتا ہے' لیکن ملاقات نہیں ہوتی' اگر

میں' میں ہی ہوں تو میرا ارادہ معطل کیوں ہوگیا؟ اور اگر میں' میں نہیں ہوں تو میری کیا تقصیر ہے؟ قتل حسین اگر اللہ تعالٰی کی مشیت ہے تو یزید بیچ میں کون ہے؟ اور اگر خدا کی مرضی کے بغیر ہے تو پھر یَفْعَلُ مَا یَشَآءُO (سورہ آل عمران' 40:3) (ترجمہ: وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) و یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُO (سورہ مائدہ' 1:5) (ترجمہ: وہ جیسا کچھ چاہتا ہے حکم دیتا ہے) کا کیا مطلب ہے؟ نبی مختار کفار سے جنگ کے لئے گئے۔ لشکر اسلام کو شکست ہوئی۔ علمائے ظاہر کہتے ہیں کہ تعلیم صبر ہے۔ کامل کے لئے تعلیم کی کیا ضرورت ہے۔

سرمد نے جواب میں یہ لکھ بھیجا۔

اے عزیز:

ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

(ہم نے جو کچھ پڑھا ہے وہ بھلا دیا ہے سوائے دوست کی باتوں کے کہ انہیں بار بار کہتے ہیں)

سرمد کے نام دارا شکوہ کا صرف یہی ایک خط ملتا ہے۔ لیکن ہے بہت دلچسپ اور اس کے فکر نیز اس کی ژرف نگاہی کا مظہر۔

"رقعات عالمگیر" میں شیخ محب اللہ کے نام دارا شکوہ کے دو خطوط ملتے ہیں(2)۔ ان میں سے ایک طویل خط میں دارا شکوہ نے مختلف سوالات پوچھے ہیں جن کے جوابات شیخ نے اپنے انداز میں دیئے ہیں۔ ان میں سے کچھ سوالات اور ان کے جوابات یوں ہیں۔

سوال :۔ اس راہ میں کام کا آغاز کرنے والے اور کام کی انتہا تک پہنچنے والے کون ہیں؟

جواب :۔ کام کے آغاز تک آ پہنچنا اعتبار غیریت سے ہے اور کام کی انتہا تک پیوست رہنا اعتبار عینیت سے ہے۔

سوال:۔ "حجاب اکبر" کی حقیقت کیا ہے۔"

جواب:۔

علم گر بر دل زند یارے بود
علم گر بر تن زند مارے بود

(علم اگر دل میں اتر جائے تو ایک دوست بن جاتا ہے اور اگر ظاہر تک ہی رہے تو ایک سانپ بن جاتا ہے)

ہر وہ علم کہ وہم دوئی کو جاری رکھتا ہے اس کا حجاب ہے۔ ہر وہ علم کہ صاحب علم کے جانے بغیر نور تعینات سے تعلق رکھتا ہے۔ یقیناً حجاب اکبر ہے' کیونکہ صفات حجاب ذات ہیں۔

سوال:۔ کیا روحانی ترقی کی کوئی انتہا ہے؟

جواب:۔

اے برادر بے نہایت درگہے است
بر ہر آنچہ ی روی بروئے مایست

(اے برادر' اس درگاہ کی کوئی انتہا نہیں' تو جس راستے پر چل رہا ہے اس پر رک مت جانا)

سوال:۔ ظَلُوۡمًا جَھُوۡلاً O (سورہ احزاب' 72:33) (ظالم' بڑا نادان) انسان کی مذمت میں ہے یا مدح میں؟

جواب:۔ یہ انسان پر ترحم کا اظہار ہے۔

سوال:۔ موجود کا معدوم ہونا محال ہے پھر اشیاء کیسے مٹ جائیں گی؟

جواب:۔ کل شی ھالک الا وجہ کے مطابق اشیاء معدوم ہو جاتی ہیں۔ جو کچھ بھی باقی ہے اپنی استعداد اور اپنی حقیقت مطلقہ کی وجہ سے ہے۔

سوال:۔ کیا تربیت روح سے معرفت تمام حاصل ہو سکتی ہے؟

جواب:۔ عجیب بات ہے کہ یہ سوال ایک موحد محقق کی طرف سے آ رہا ہے۔ ہر انسان اپنی ذات میں مکمل ہے۔ روح اسے حقیقی تربیت مہیا کرتی ہے۔ جب تک وہ وہم

کے بھنور میں پھنسا ہوا ہے وہ مظاہر کو غیر سمجھتا ہے اور فیض کو خدا سے منسوب کرتا ہے۔

سوال :۔ کیا موت کے بعد طالب اور مطلوب کا وصل ممکن ہے؟

جواب :۔ موت ایک ایسا پل ہے جو دوست سے دوست کو ملاتا ہے۔ انسان کا کمال اس کی موت کے بغیر ممکن نہیں۔

سوال :۔ درد اور عشق میں کیا فرق ہے؟

جواب :۔ درد عشق کی سیڑھی ہے۔

ہر چہ در کائنات جزء و کل اند
در رہ عشق طاق ہائے پل اند

(کائنات میں جو بھی جزو و کل ہیں' وہ راہ عشق کے پل کی محرابیں ہیں)

شاہ دلربا کے نام چھ خطوط ہیں(3) ان سے دارا شکوہ کے مزاج کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک خط میں یوں لکھتے ہیں: الحمدللہ کہ اس معزز و معظم گروہ کی صحبت کی برکت سے میرے دل سے اسلام مجازی رخصت ہوگیا اور کفر حقیقی سامنے آگیا ہے اور مولانا عبدالرحمٰن جامی کی اس رباعی کے معنی معلوم ہوئے۔

در دیدہ عیاں تو بودۂ من غافل
در سینہ نہاں تو بودۂ من غافل
از جملہ جہاں نشان تو می جستم
خود جملہ جہاں تو بودۂ من غافل

(تو آنکھ میں عیاں تھا' میں غافل- تو سینہ میں چھپا ہوا تھا' میں غافل- میں ساری دنیا سے تیرا پتہ پوچھتا تھا- ساری دنیا تو خود ہی تھا' میں غافل)

اب جب کہ کفر حقیقی کی قدر جان چکا ہوں' زنار پوش' بت پرست بلکہ خود پرست اور دیر نشیں ہوگیا ہوں۔

مسلماں گر بدانستی کہ بت چیست
بدانستی کہ دیں در بت پرستی است
(اگر مسلماں جانتا کہ بت کیا ہے۔ وہ جان لیتا کہ دین بت پرستی میں ہے)

دروں ہر بتے جانیست پنہاں
بزیر کفر ایمانیست پنہاں
(ہر بت کے اندر ایک روح پوشیدہ ہے۔ (گویا) کفر تلے ایمان پوشیدہ ہے)

اس خط سے دارا شکوہ کے ایمان کی حقیقت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔
ملا شاہ کے نام بھی دارا شکوہ کے دو خطوط ہیں(4)۔ اور ملا شاہ کی طرف سے ان کے جوابات بھی ہیں۔

ملا شاہ دارا شکوہ کے نام خطوط کا مرصع القابات و خطابات کی بجائے' جن کا اس زمانے میں شہزادوں کے لئے عام رواج تھا' سیدھے سادے انداز میں آغاز کرتے ہیں۔ خلوص کے اظہار کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی تلخ سرزنش بھی ان کے قلم کی نوک پر آجاتی ہے۔ داراشکوہ اور اس کے پیرومرشد ملاشاہ بدخشی بے تکلف فضا میں خط و کتابت کرتے ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ شہزادے کی روحانی زندگی پر ملاشاہ کا بے حد اثر تھا۔

داراشکوہ اپنے مرشد ملاشاہ کے نام ایک طویل خط میں لکھتا ہے کہ بعض (صوفیاء کرام) کا خیال یہ ہے کہ ترقی اور کمال کی کوئی انتہا نہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کی بھی کوئی حد نہیں۔ یہ تجلی ہر لحظہ ظہور میں آتی ہے۔ پس لازم ہے کہ ترقی کی بھی کوئی انتہا نہ ہو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اگر صوفی کی عمر ہزار سال بھی ہوجائے پھر بھی وہ روبہ ترقی رہے گا۔ رسول اکرمؐ فرماتے ہیں:

من استوی یوماہ فھو مغبون

(جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ نقصان میں ہے)

لیکن خود ہی یہ باتیں لکھنے کے باوجود داراشکوہ یہ کہتا ہے کہ مجھ پر یہ آفتاب کی طرح روشن ہے کہ صوفی کے مرتبوں کی کوئی حد ضرور ہے کیونکہ سالک و واصل اس حدیث کے اطلاق سے مبرا ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ اپنی سوچ ہی کو حرف آخر سمجھتا ہے۔ حتیٰ کہ حدیث کو اپنی سوچ کے مطابق ثابت کرنے کے لئے اس کے دائرہ اثر کو خود ہی محدود کر رہا ہے۔

داراشکوہ مزید لکھتا ہے کہ جو شخص ابھی ترقی کی منزل میں ہے وہ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَO (سورہ بقرہ، 62:2) کے مرتبے کو نہیں پہنچا ہوتا کیونکہ خوف اور اندوہ ترقی اور تنزل کا لازمہ ہیں۔ خوف واندوہ اس بات کا ہوتا ہے کہ شاید ترقی ہو یا نہ ہو، اور جب ترقی و تنزل کی منزل باقی نہیں رہتی تو خوف واندوہ بھی جاتا رہتا ہے۔

اب ملاشاہ کا جواب بھی سن لیجئے۔

دولت دیدار نصیب، و ھو منزہ عن الترقی والتنزل (وہ ترقی اور تنزل سے پاک ہے)۔ جب تک آدمی درمیان میں ہے ترقی کی امید اور تنزل کا خوف ہے، اور جب آدمی درمیان میں نہ رہے تو پھر ترقی کی امید اور تنزل کا خوف کیسے ہوگا؟ ایسی صورت میں جو باقی رہتا ہے وہ حق ہے اور حق سب چیزوں سے مبرا ہے۔

"رقعات عالمگیر" میں دارا شکوہ کا ایک خط اورنگ زیب کے نام بھی ہے(5)۔ یہ خط اس نے اپنے قتل سے ایک یا دو دن پہلے اورنگ زیب عالمگیر کو لکھا اور بڑے سلیقے سے زندہ رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ وہ لکھتا ہے:

میرے بھائی صاحب! میرے بادشاہ!

مجھے حکومت کی کوئی خواہش نہیں۔ یہ آپ کو اور آپ کی اولاد کو مبارک ہو۔ دماغ عالی میں میرے قتل کا خیال غیر ضروری ہے۔ اگر مجھے رہنے کے لئے ایک مکان دے دیا

جائے اور خدمت کے لئے میری خاص کنیزوں میں سے ایک کنیز' تو میں اپنے گوشہ عافیت سے آپ کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔

لیکن اورنگ زیب نے اس خط کے حاشیہ پر یہ آیت کریمہ لکھ کر اسے واپس کردیا(6):

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ○(سورہ یونس' 91:10)

(ہاں' اب تو ایمان لایا حالانکہ پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا اور تو دنیا کے مفسد انسانوں میں سے ایک (بڑا ہی) مفسد تھا)

یہ خط برطانوی عجائب خانہ کی کتاب نمبر 18881 ایڈیشنل اور ندوہ کے ایک نسخہ رقعات عالمگیری 37/7325 میں ہے۔

ہم نے دارا شکوہ کے بہت سے خطوط اس باب کے آخر میں دے دئے ہیں۔

# حوالے

1- دارا شکوہ، سر اکبر، مرتبہ ڈاکٹر تارا چند و سید محمد رضا جلالی نائینی، طبع تہران، 1957ء-

2- سید نجیب اشرف ندوی (مرتب)، رقعات عالمگیر، مطبع معارف، اعظم گڑھ-انڈیا- جلد اول، صفحہ 325-

3- رقعات عالمگیر، صفحہ 319-

4- دارا شکوہ، سکینتہ الاولیاء، مرتبہ سید محمد رضا جلالی نائینی و ڈاکٹر تارا چند، طبع تہران-

5- رقعات عالمگیر، صفحہ 330-

6- رقعات عالمگیر، صفحہ 226-

# حواشی

☆ سعد اللہ خاں کی طرف سے داراشکوہ کے نام اس خط میں اسے اطلاع دی گئی ہے کہ صوبہ اڑیسہ کو اپنی جاگیر میں لینے کے لئے اس کی التماس بادشاہ نے منظور کرلی ہے۔
کمترین بندہ ہای درگاہ والا سعد اللہ خان، بعرض صاجزادہ عالم و عالمیان میرساند کہ بورود نشان گرامی شان، مباہات اندوخت۔ عنایت نامہ را بنظر والا در آورد۔ مقدمہ ای کہ بعرض آن مامور بود، باٰیین پسندیدہ و طرز گزیدہ، بعرض اشرف اعلیٰ رسانید۔ اعلیٰ حضرت، خلافت پناہ، ظل اللہ دریای کرم اند۔ عطایای این ذات اقدس را نہایتی نبودہ و الطاف ایں شخص مقدس را، غایتی نباشد کہ از آنچہ تصور فرمودہ اند، زیادہ عطاینند، در ہر مرتبہ شکر لازم است۔ نظر بخواہشی کہ آں قدسی نژاد قدوسی نہاد، درباب صوبۂ اودیسہ داشتند، آن را از روی عنایت کرم نمودہ اند، بر آں شاکر باید بود۔ زیادہ چہ عرض نماید۔
(ڈاکٹر ناظر حسن زیدی (مرتب)، مکتوبات سعد اللہ خاں، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، صفحہ 84)

☆ خط داراشکوہ کے نام ملا شاہ کے ایک خط کا اردو ترجمہ:
دولت دیدار نصیب۔ دوستان مخصوص، علی الخصوص تمہارے جیسے دوست کی جمعیت ذوق کی خبر سے میری جمعیت خاطر اور ذوق میں صد گونہ اضافہ ہوا۔ الحمد للہ والشکر للہ کہ اس متکبر اور مغرور فقیر کے نزدیک زمین کا بنانا اور آسمان کو تراشنا نہایت آسان ہے لیکن زمین و آسمان کے مالک کی معرفت میں دل کو زندہ کرنا غایت درجے مشکل ہے۔ اگر زمین اور آسمان کے اس احاطے میں حقیقت کا سروسامان نہ ہو تو گھر کی بنیاد رکھنا عبث ہے۔

اور ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ جو طریقہ ہم نے تمہیں بتایا تھا اسے پیش نظر رکھو تاکہ ذوق کی زیادتی کا سبب بنے۔

انشاء اللہ المذوق (اگر اللہ چاہے ذوق والی چیز کو)

تمام دوستان حاضر اور حاضرین مجلس کو، جو قطب دائرے کے گرد بنات النعش کی طرح جمع ہیں، سب اصحاب کی طرف سے دعا پہنچے۔

(ترجمہ سکینۃ الاولیاء از مقبول بیگ بدخشانی، صفحہ 219)

☆ سرمد کاشانی

سب سے قدیم کتاب جس میں سرمد کے حالات زندگی ملتے ہیں محسن فانی کی "دبستان مذاہب" ہے (محسن فانی، دبستان مذاہب، نول کشور 1885ء)۔ اس کی تصنیف کا سال تو معلوم نہیں لیکن کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف 1057ھ میں سرمد سے مل چکا تھا۔ اس کے بعد عہد عالمگیر کے دو تذکرہ نگاروں مرزا محمد طاہر نصر آبادی اور شیر محمد خان لودھی نے اپنے تذکروں "تذکرہ نصر آبادی" (مرزا محمد طاہر، تذکرہ نصر آبادی، تہران 1982ء بہ تصحیح وحید دست گردی) اور "مرآۃ الخیال" (شیر محمد خاں لودھی، مرآۃ الخیال، بمبئی 1831ء) میں سرمد کے قتل کا حال لکھا ہے یہ تذکرے بالترتیب 1083ھ اور 1102ھ میں لکھے گئے۔ 1160ھ میں علی قلی والا داغستانی نے "ریاض الشعرا" میں سرمد کی سرگزشت لکھی (والا داغستانی، ریاض الشعرا، قلمی، کتب خانہ آصفیہ، دکن)۔ ان سب کے علاوہ بانکی پور پٹنہ کے مشہور کتاب خانے کی ایک قلمی کتاب "مجمع الافکار" میں سرمد کا ذکر ہے۔ صاحب مجمع الافکار نے اس کو شاہجہاں کے ایک امیر نواب معتمد خاں کی یادداشت سے نقل کیا ہے۔ یہ امیر لاہور میں سرمد سے ملا تھا۔ (ابوالخیر مودودی، معارف، جلد 26 شمارہ 7 جولائی 1993ء)

سرمد کا اصل نام تو معلوم نہیں لیکن ان تمام کتب سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا اسلامی نام سعید یا محمد سعید تھا، اور تخلص سرمد، مرآۃ الخیال میں اسے ارمنی اور فرنگی

نسل کا بتایا گیا ہے۔ باقی کتب نے اسے یہودی النسل لکھا ہے۔ ابوالکلام لکھتے ہیں (ابوالکلام ' سرمد شہید 'نظام المشائخ جلد 2' شمارہ 2' جنوری 1910ء) کہ یہ دونوں بیانات متناقص نہیں کیونکہ ایران میں قدیم سے ارمینیوں کی آبادی موجود ہے جو بالعموم مسیحی اور بعض یہودی ہیں۔ اس کے ارمنی ہونے کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا ہو گا کہ وہ فرنگی ہے۔ سرمد کاشان میں پیدا ہوا۔ اسلام قبول کیا' مسلمان ہونے کے بعد ایران کے دانش وروں سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ وہ تجارت کے سلسلے میں بحری راہ سے ہندوستان آیا۔ جب سندھ کے شہر ٹھٹھہ پہنچا۔ تو ایک ہندو زادے ابھے چند کی محبت کا اسیر ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں سرمد کی متاع دین و دانش لٹ گئی' اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور لباس عریانی اختیار کیا۔

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزہ خوں ریز ہے ساقی

اس واقعہ کے بعد سرمد پورا کلمہ نہیں بلکہ صرف لا الہ (کوئی معبود نہیں) پڑھتا تھا۔ اس کے ہوش و حواس قائم تھے۔ بہت اچھا شاعر بھی تھا۔ علم و فضل میں بھی اس کا اپنا مقام تھا لیکن لباس زیب تن کرنے اور پورا کلمہ پڑھنے سے انکاری تھا۔

مبتلائے عشق ہونے کے بعد جب وہ قریہ قریہ پھرتا ہوا دہلی پہنچا اس کی ملاقات دارا شکوہ سے ہوئی' تصوف کے واسطے سے ان کے تعلقات استوار ہوئے' دارا شکوہ نے اسے اپنا مرشد تسلیم کیا اور سرمد نے اسے بادشاہت کی نوید دی۔

شاہجہاں نے جب یہ سنا کہ سرمد نامی ایک شخص جو صاحب کشف و کرامات ہے بالکل برہنہ رہتا ہے تو حقیقت حال جاننے کے لئے اپنے ایک امیر عنایت خاں کو اس کے پاس بھیجا۔ امیر نے واپس آکر اپنا تجزیہ ایک شعر کی صورت میں پیش خدمت کیا۔

بر سرمد برہنہ کرامات تہمت است
کشفے کہ ظاہر است از و کشف عورت است

جب اورنگ زیب تخت نشیں ہوا تو ملا شیخ عبدالقوی کو جو اس کا پنج ہزاری منصب دار اور اپنے عہد کا قاضی القضاۃ تھا' سرمد کے پاس بھیجا۔ ملا قوی کے پوچھنے پر کہ اپنے علم و فضل کے باوجود تم نے برہنگی کیوں اختیار کر رکھی ہے اس نے یہ جواب دیا کہ شیطان قوی ہے۔ اس کے بعد ملا قوی نے اورنگ زیب عالمگیر کو یہ مشورہ دیا کہ سرمد کو برہنگی کے جرم میں قتل کر دینا چاہئے۔ لیکن عالم گیر نے کہا کہ صرف برہنہ رہنے پر قتل کی سزا نہیں ہو سکتی۔ حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لئے اسے دربار میں طلب کیا جائے اور علمائے عصر اس سے گفتگو کریں۔ چنانچہ شاہی فرمان کے مطابق علماء کا ایک اجلاس بلایا گیا بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ عالمگیر بھی اس اجتماع میں شریک تھا جب سرمد سے عریانی کا سبب پوچھا گیا' تو اس نے جواب میں یہ رباعی پڑھی۔

آں کس کہ ترا تاج جہاں بانی داد
مارا ہمہ اسباب پریشانی داد
پوشاند لباس ہر کرا کہ عیبے دید
بے عیباں را لباس عریانی داد

جب اس سے یہ سوال ہوا کہ تم صرف لاالہ کہتے ہو' پورا کلمہ کیوں نہیں پڑھتے تو اس نے کہا کہ میں تو ابھی نفی کے درجے (لاالہ) میں ہوں۔ یہاں سے کامیاب گزرا تو اثبات کی منزل (الا اللہ) پر آؤں گا۔ اس پر مجلس نے اسے کہا کہ وہ لباس پہنے اور کلمہ پڑھے۔ ورنہ اس کی سزا قتل ہے۔ مگر سرمد نے ان کی بات نہ مانی' جس پر اس کے قتل کا فتویٰ جاری ہوا۔ سرمد کے پرانے رفیقوں میں ایک شخص شاہ اسد اللہ بھی تھا وہ قتل کے فتوے کے بعد سرمد کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ وہ ستر پوشی کرے۔ اور کلمہ شہادت پڑھ

لے تو اسے اسی وقت آزاد کردیا جائے گا۔ اس کا جواب سرمد نے یہ دیا۔

عمر یست کہ آوازہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

جب سرمد کو قتل گاہ لے گئے' اور جلاد نے رواج کے مطابق اس کی آنکھوں پر پٹی باندھنی چاہی تو سرمد نے منع کیا اور سر قلم ہونے سے پہلے دیگر اشعار کے علاوہ یہ اشعار بھی پڑھے:

شورے شد و از خواب عدم چشم کشودیم
دیدیم کہ باقی ست شب فتنہ غنودیم

سر بریدہ از تتم شوخے کہ باما یار بود
قصہ کو تاہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قتل کی کیا وجہ تھی۔ کیا یہ ایک سیاسی قتل تھا؟ کیا یہ کوئی انتقامی کارروائی تھی؟ یا ایک مذہبی مسئلہ تھا؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے ضروری ہے کہ ہم زمانے کے حالات و واقعات کا مختصر جائزہ لیں۔ اورنگ زیب 1068ھ میں تخت نشیں ہوا۔ دارا شکوہ کے قتل کے بعد اس نے بڑی تیزی سے اپنی حکومت مستحکم کی۔ سرمد کا قتل 1071ھ میں ہوا جب عالم گیر کی تخت نشینی کو تین سال گزر چکے تھے اور اس کی حکومت مستحکم ہو چکی تھی۔ ان حالات میں کیا اورنگ زیب کو اپنی حکومت کے سیاسی استحکام کے لئے سرمد کے قتل کی ضرورت تھی؟ کیا سرمد برہنہ اتنا با اثر ہو چکا تھا کہ وہ حکومت کا تختہ الٹ دیتا؟ اگر سرمد کا اتنا رسوخ تھا بھی تو وہ یہ جدوجہد کس کے لئے کرتا؟ دارا شکوہ کی زندگی میں تو سرمد کی سرگرمیوں کے بارے میں اورنگ زیب فکر مند ہو سکتا

تھا۔ لیکن دارا کے قتل کے بعد سرمد کی طرف سے حکومت کو کسی قسم کا خطرہ نہیں رہا تھا۔ اور کوئی سیاسی وجہ اس کے قتل کی نہ تھی۔ کسی کے محض کہہ دینے سے یہ قتل ایک سیاسی قتل نہیں ٹھہر سکتا۔

تو کیا پھر یہ ایک انتقامی قتل تھا؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ سرمد نے شیطان قوی است کہہ کر ملا قوی پر پھبتی کسی تھی لیکن یہ بات کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہو اس کی سزا قتل نہیں۔ ریاض الشعرا میں لکھا ہے کہ ملا قوی کے حسد و کینہ کا بڑا سبب سرمد کی مقبولیت اور اس کا علم و فضل تھا۔ اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ ملا قوی نے سرمد کے قتل کا مطالبہ کیا تھا تو پھر ہمیں یہ ماننے میں بھی تامل نہیں ہونا چاہئے کہ اورنگ زیب نے اسے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ عریانی وجہ قتل نہیں ہو سکتی۔ تذکروں میں یہ بھی لکھا ہے کہ سرمد نے اورنگ زیب کو بھی ناراض کیا تھا۔ کیونکہ اس نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ ہندوستان کی حکومت دارا شکوہ کو ملے گی۔ جب اورنگ زیب سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے سرمد سے کہا کہ تم نے دارا شکوہ کو حکمرانی کی جو خوش خبری دی تھی وہ غلط ثابت ہوئی۔ اس پر سرمد نے کہا کہ میری پیش گوئی درست تھی اسے ابدی سلطنت مل گئی ہے۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس جواب پر اورنگ زیب نے اپنے دل میں گرہ باندھ لی لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اورنگ زیب نے دارا شکوہ کے حامیوں کو نوازا۔ جسونت سنگھ کی خطاؤں کو معاف کر دیا۔ قوی کے مشورے کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ عریانی کی سزا قتل نہیں۔ اس لئے یہ قتل کوئی انتقامی کارروائی بھی نہ تھی۔

سرمد ایک یہودی تھا۔ وہ مسلمان ہوا وہ صاحب علم و فضل تھا لیکن ایک برہمن زادے سے محبت کے بعد بقائی ہوش و حواس برہنہ رہتا تھا۔ وہ صرف لا الہ کا ورد کرتا تھا۔ پورا کلمہ پڑھنے سے انکاری تھا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک شخص جو اسلام لانے کے بعد "کوئی معبود نہیں" کا ورد کرتا ہے اور توبہ سے انکاری ہے تو اگر علماء کا ایک اجتماع اسے واجب القتل قرار دیتا ہے تو اس میں سیاست یا انتقامی کارروائی کہاں سے آ گئی۔ ان علماء کے مذہبی نقطہ نظر سے وہ ایک مرتد تھا اور اس کی سزا قتل تھی۔ ہم نہیں سمجھتے کہ یہ

ایک سیاسی قتل تھا کیونکہ سرمد سے اورنگ زیب کی حکومت کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ یہ انتقامی کارروائی بھی نہ تھی کیونکہ اگر ملا قوی کوئی انتقامی کارروائی کرنا بھی چاہتا تھا تو عالمگیر نے اس کا راستہ روک دیا تھا۔ درحقیقت اس وقت کے علماء نے مذہبی بنیادوں پر اسے قابل تعزیر سمجھا اور اس کے لئے موت کی سزا تجویز کی۔ چنانچہ 1071ھ میں تیغ شریعت سے اس کا سر قلم کیا گیا۔ سرمد جامع مسجد دہلی کے پہلو میں قتل کیا گیا اور وہیں دفن ہے۔

## ☆ شیخ محب اللہ الہ آبادی

شیخ محب اللہ الہ آبادی' 996ھ میں پیدا ہوئے اور 1058ھ میں انتقال کر گئے۔ وہ ملا عبدالسلام لاہوری کے شاگرد رشید اور شاہجہاں بادشاہ کے وزیر اعظم سعد اللہ خاں کے ہم جماعت تھے۔ وہ نامور صوفی حضرت بابا فرید شکر گنجؒ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت عمرؓ سے ملتا ہے۔ محب اللہ ایک عالم ہونے کے علاوہ ایک صوفی بھی تھے اور سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے۔ انہوں نے ابن عربی کے افکار کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کے نظریات کی اس قدر تشہیر کی کہ لوگ ان کو ہندی ابن عربی کہنے لگے۔ انہوں نے الراتب الاربعہ کے نام قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ یہ تفسیر وحدت الوجود کے نظریئے کے مطابق لکھی گئی ہے۔ اس میں متعدد مقامات پر مروجہ اسلامی عقائد سے انحراف کیا گیا ہے۔ ان کی نسبت تذکرہ علمائے ہند میں یہاں تک لکھا ہے کہ "تحقیقات و تدقیقاتش در علم تصوف بدرجہ اجتہاد رسیدہ بلکہ می رسد کہ شیخ محی الدین ابن العربی را شیخ اکبر و وے را شیخ کبیر گویند"۔

محب اللہ الہ آبادی نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں انفاس الخواص' التسویہ اور المغالط العامہ زیادہ مشہور ہیں۔ یہ کتابیں صوفیانہ تاویلات' وجدانی تصورات اور باطنی تصریحات پر مشتمل ہیں۔ ان میں نظریہ وحدت بالوجود کی پرزور وکالت کی گئی ہے' اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کوئی مخلوق اللہ سے مغائر نہیں ہے۔

(ڈاکٹر زبیر احمد:

The Contribution of India to the
Arabic Literature

ترجمہ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ از شاہد حسین رزاقی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ ' 2 کلب روڈ لاہور۔ طبع سوم 1991ء)

پاک و ہند کے کئی صوفیاء نے ابن عربی کی تصنیف "فصوص الحکم" کی شرحیں لکھی ہیں۔ محب اللہ الہ آبادی نے بھی "تجلیتہ الفصوص" کے نام سے اس کتاب کی شرح لکھی ہے۔

دارا شکوہ کے ایک سوال کے جواب میں محب اللہ الہ آبادی کہتے ہیں: سچ تو یہ ہے کہ حکمرانوں کی سوچ کا محور انسانوں کی فلاح و بہبود ہونی چاہئے۔ مسلمان ہوں یا کافر' سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں' اگر ایک آدمی ایسے تصورات رکھتا ہے۔ تو پھر وہ مسلم اور کافر سب کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے۔ "فتوحات" میں بیان ہوا ہے اور قرآن مجید میں وارد ہے کہ وما ارسلنک الا رحمتہ اللعالمین۔ یہ رحمت عام ہے۔ مثل رب العالمین۔ آپ نے شیخ محب اللہ کی سوچ دیکھ لی۔ قرآن سے ان کی تسلی نہیں ہوتی۔ ابن عربی کی "فتوحات" کا حوالہ بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک مسلمان کے نزدیک قرآن مجید کے مقابلے پر "فتوحات" کی کیا حیثیت ہے۔

رسالہ تسویہ میں وحی کی نسبت ایسے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے جو اسلامی اعتقاد کے خلاف ہیں۔ عہد عالمگیری میں جب مصنف کی وفات ہو چکی تھی اس پر ایک بڑا ہنگامہ برپا ہوا۔ علماء کرام نے بادشاہ سے استدعا کی کہ اس رسالے کی تمام نقلیں جلا دی جائیں اور جو لوگ اس کے قائل ہوں ان پر حد شرعی نافذ کی جائے' چنانچہ رسالے کی جو نقلیں دستیاب ہوئیں انہیں ضائع کر دیا گیا' البتہ دوسرا حکم آخر کار منسوخ ہوا۔

☆ ملا شاہ

دارا شکوہ کے پیر ملا شاہ کے کچھ حالات دوسرے باب میں دئے جا چکے ہیں۔ مزید

حالات یہاں درج ہیں۔

شیخ محمد اکرم "رود کوثر" (ناشر: ادارہ ثقافت اسلامیہ ' 2 کلب روڈ لاہور۔ طبع ہفتم 1979ء) میں تحریر کرتے ہیں کہ ملا شاہ نے (جو زیادہ تر کشمیر میں رہتے تھے) ایک شعر لکھا (نقل کفر ' کفر نہ باشد):

پنجہ در پنجہ خدا دارم
من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

اس پر کشمیر کے علماء نے انہیں کافر قرار دے کر اس کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا اور شاہجہاں سے استدعا کی کہ وہ ان کے خلاف حد شرعی جاری کرنے کا حکم دے۔ شاہجہاں نے علماء سے اتفاق کیا۔ اس سلسلے میں کشمیر کے گورنر ظفر خاں کے نام فرمان لکھا جاچکا تھا کہ داراشکوہ نے سفارش کی کہ اس معاملے میں جلدی کرنے کی بجائے میاں میر صاحب سے بھی استفسار کرلیا جائے۔ بادشاہ کے جواب میں میاں میر نے جو ملا شاہ کے پیر بھی تھے ' لکھا کہ احوال کے تابع ' ملا شاہ ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جن سے پرہیز واجب ہے لیکن اسے ان باتوں کی بنا پر قتل کرنا نامناسب ہوگا۔ شاہجہاں نے یہ مشورہ قبول کرلیا اور ملا شاہ کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا۔

کچھ مدت کے بعد جب 1050ھ میں شاہجہاں کشمیر آیا تو اس نے ملا شاہ کو بلا بھیجا اور اس سے صوفیانہ مسائل پر گفتگو کی۔ اسی سال داراشکوہ اور اس کی بڑی بہن جہاں آرا نے ملا شاہ سے بیعت کی۔ ملا شاہ داراشکوہ کے ذوق و شوق سے بہت خوش تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ عزیز سلسلہ قادریہ کو فروغ دے گا۔

پھر حالات نے پلٹا کھایا۔ داراشکوہ کی شکست کے بعد 1658ء میں اورنگ زیب تخت شاہی پر متمکن ہوا۔ اب علماء نے پھر ملا شاہ کے خلاف آواز اٹھائی۔ چنانچہ دارالسلطنت سے ملاشاہ کی طلبی کا پروانہ جاری ہوا۔ وہ ان دنوں بیمار تھے ' اس لئے کشمیر کے گورنر نے عالمگیر بادشاہ کو اطلاع دی کہ شیخ سفر کے ناقابل ہے۔ بحالی صحت پر حاضر

ہو گا۔ اس طرح کچھ وقت گزر گیا۔ اسی دوران ملا شاہ کے حسب ذیل اشعار جو اس نے اورنگ زیب کے تخت نشینی پر لکھے تھے' بادشاہ کو پہنچے:

صحن دل من چوں گل خورشید شگفت
کامد حق و غبار باطل رفت
تاریخ جلوس شاہ اورنگ مرا
ظل الحق گفت' الحق ایں راحق گفت

اس کے بعد اورنگ زیب نے ملا شاہ کو دہلی بلانے کا اپنا حکم منسوخ کر دیا اور فقط یہی لکھا کہ ملا شاہ بجائے کشمیر کے لاہور میں قیام کریں۔ چنانچہ 1660ء کے موسم سرما سے شیخ نے لاہور میں رہائش اختیار کر لی۔ کچھ عمر کے زیادہ ہونے اور کچھ نئے حالات کی بنا پر انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کی۔ 10 اکتوبر 1661ء کو وہ لاہور میں انتقال کر گئے۔

## ☆ مکاتیب شاہ بلند اقبال شہزادہ دارا شکوہ

### (الف) بنام شاہ دلربا[1]

### خط نمبر 1

یااللہ　　　　　　　　　　　　یااللہ

اخلاص گوناں گون و عشق فراوان و سجدات شکر و تسلیمات بندگی بدرگاہ آں ذات مقدس معلی از جانب این بے جانب برسد و امید کہ قبول افتد این بندۂ شرمندۂ خودراکہ عنایت نامہ و شعر سربلند افزا بودند رسید و کمال عزت و سربلندی بخشید، ایں ذرہ چہ لائق آں کہ آں شاہ محققان و عین الرحمٰن ایں رابستانید و درباره ایں فقیر بفرمانید

چوں　　تو　　گفتی　　بندۂ　　من
از　　عرش　　بگذرد　　خندۂ　　من
اے　　درصفت　　ذات　　تو　　حیراں　　کہ　　و　　مہ
و　　زجملہ　　جہاں　　خدمت　　درگاہ　　تو　　بہ

اے شاہ فقیراں، ایں فقیر راہمیشہ اشتیاق ملازمت آں حضرت در خاطری باشد، تاکدام وقت ایں وصل روبدہد و ایں تمنا از بدر شود:

ہر　　کجا　　ایم،　　دل　　مقید　　تست
خواہ　　در　　آگرہ　　ایم　　خواہ　　در　　لاہور

امید کہ ایں کمترین سگان درگاہ خود را فراموش نکنند

من . کیستم اندر چہ شارم چہ کسم
تا ہمرہی سگانت باشد ہوسم
در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بسکہ رسد ز دور بانگ جرسم

خط نمبر2

یااللہ' یااللہ یا حاضر یا ناظر' از فانی' مطلق و نیست معدوم ہستئی موجود شاہ اولیاء بندگی و سلام بسیار بسیار برسد' امید کہ از ہواداران خود ایں ذرۂ بے مقدار را دانند واز روشنئی نور خود ایں ذرہ را یاد آوردہ وفور تازہ و خوشی بے انداز گاہ گاہ می بخشیدہ باشد' ولیکہ نیست در یاد حضرت تست و جان کہ نیست در طلب دیدار و وصلت است' العفو العفو' ایں نیست را چہ قدرت کہ طلب وصل از اصل نماید

من کیستم اندر چہ شارم چہ کسم

کرم و عشق ذات مبارک حضرت میان است کہ ذرہ را بہوائی آردواز عشق می درخشاند' ہر کجا شمعے است پروانہ ایست و ہر جا معشوقے است با او دیوانہ ایست' اشتیاق ملازمت و پابوس از حد و نہایت بتحقیق زیادہ از ہرچہ بنوسد و بزبان آرد بود و ہست واگر میسری بود سر را قدم ساختہ خود را بگان آن آستان در شاہاں می رساند' کیست کہ او دیدار خدارا نخواہد وکیست کہ آں وصل را نطلبد' امامعشوق تا کرا خواہد و میلش بکہ باشد' بسیار معشوق صفتی دبے نیازی از عاشق خود فرمودند' یا کریم یا رحیم بیک تجلی و نظارہ از حضرت شاچہ می رفت کہ ایں جانب مردہ زندہ می شد و دلے تازگی می یافت' دیگر ہرچہ رضائے حضرت تست' عاشق راضی است' یا رضا' یا رضا' دریں ایام ایں دو بیت گفتہ شدہ

بود:

نادیدہ رخ تو در جفائیم
لطفے بنما کہ بے نوائیم
بیگانہ چرا شدی تو از ما
ما و تو قدیم آشنائیم

خط نمبر 3

بنام آنکہ بر ما مہربان است
بنام آنکہ او خود عین جان است
بنام آنکہ دل را دلبری کرد
بدلہا خود بخود پیغمبری کرد
بنام آنکہ او نامے ندارد
بہرنامے کہ خوانی سر بر آرد
نظر کردن بدرویش نیم ساعت
ہمی ارزد ہزاراں سالہ طاعت

نیاز و سلام و دعائے بسیار از حد بے شمار بخدمت عارف ربانی، محبوب سبحانی، مظہر رحمانی، حضرت میاں صاحب برسد، آں ذات مقدس معلی راہمہ جاوہمہ وقت حاضر و ناظری داند، وی بیند، عنایت نامہ عالی چوں آیہ رحمت رسید و مشتاق تر ساخت، تعریف مرید تمام اخلاص سید صلابت خاں نوشتہ بودند، سعادت دارین او کہ مقبول اللہ تعالیٰ گشتہ و گناہ برادر جودی از تہ دل بخشیدہ شد، و.صلابت خاں گفتہ شد کہ جائے جودی و زمینداری او بہ برادر مقرر باشد گناہ یک بے گناہ چہ باشد کہ بخشیدہ نشود کہ بخشانیدۂ گناہاں تلقین آں

زبدۂ عارفاں رامی داند' ملک و صوبہ ہمہ ایشان است' ایں نیست' جز کوتوالی بیش نیست' ہرچہ خواہند بکنند و ہرچہ خواہند بفرمانید و ہرچہ بہر کہ خواہند بدہند' ہمہ ازشماست' امید وارست کہ ہمہ وقت ارشاد و نصیحت بایں مرید نادان میشدہ باشد و باعث سعادت کونین می داند:

من نیم باللہ جاناں من نیم
عشق تو عاشق تو معشوق تو

رسالہ نفیسہ رسید و در خلوت مطالعہ کرد' بسیار مفید است

خط نمبر4

ھوالکل لکاتبتہ:

بنام آنکہ نامش عین ذاتست
وجود او منزہ از جہاتست
ہمہ وجہہ و ہمہ سمع و ہمہ عین
ہمہ تنزیہ و پاکی و حیاتست

عنایت نامہ نامی گرامی کہ بعد از عفو گناہ ایں فقیر حقیر سراپا تقصیر مصوب ابو نصر عنایت شدہ بود' در بہترین اوقات رسید' نہایت خوشحالی و دلجوئی رو داده:

نامہ عفو ماست ایں نامہ
خاطر ما چرا نہ خوش گردد

در تعریف نامہ چہ تو اند نوشت کہ ذات صاحب نامہ منزہ است از وصف و تعریف، اگرچہ تعریف کنندہ ہم نیست، عیاذاً- باللہ لفظ غیر او نیست، عارف و معروف، شاہد و مشہود، محب و محبوب، طالب و مطلوب جز یک ذات نیست، ہر کہ جز یک ذات است معدوم محض است:

موجود بجز یکے نباشد ہرگز
باللہ کہ دریں شکے نباشد ہرگز

و ایں مقراست کہ معدوم ہرگز موجود نگردد و موجود ہرگز معدوم نگردد:

غیرتش غیر درجہاں نگذاشت
لاجرم عین جملہ اشیا شد

در چشم بینا حقا و ثم حقا کہ در ہر جزوے کل ظاہر و ہویداست، و در ہر ذرہ آفتاب جہانتاب پیدا، و در ہر قطرہ بحر حقیقت جلوہ گر، و در ہر حرفے وجود سیاہی اظہر ہست، نہاں نقش، چوں یک اسم شریف او ہو الباطن است، از چشم بعضے پنہاں شد، چوں یک اسم مقدس او ہو الظاہر در چشم بعضے ظاہر گشت:

گاہ پردہ بروے در گیرد
گاہ بے پردہ روئے بنماید

الحمد اللہ الحمد اللہ کہ از برکت صحبت ایں طائفہ شریفہ مکرمہ معظمہ از دل ایں فقیر اسلام مجازی برخاست و کفر حقیقی روئے نمود و معنی ایں رباعئی عارف نامی مولانا عبدالرحمٰن جامی ظاہر گشت:

در دیدہ عیاں تو بودہ من غافل
در سینہ نہاں تو بودہ من غافل
از جملہ جہاں نشان تو می جستم
خود جملہ جہاں تو بودہ من غافل

اکنوں قدر کفر حقیقی دانستم زنار پوش و بت پرست بلکہ خود پرست و دیر نشین گشتم:

مسلماں گر بدانستی کہ بت چیست
بدانستی کہ دیں در بت پرستی است
اگر ز اسلام مجازی گشت بیزار
کرا کفر حقیقی شد پدیدار
درون ہر بتے ء جانیست پنہاں
بزیر کفر ایمانیست پنہاں
بترسا زادہ دادم دل بیک بار
مجرد گشتم از اقرار و انکار

خط نمبر5

ھواللہ احد' بنام آنکہ در وحدت و یگانگی بے نظیر و بے شبیہ و بے بدل است' ہیچ کثرتے وحدت آں ذات مقدس معلی راکہ ہزاراں جان عاشقان و عارفاں فدائے او باد نتواند حجاب و پردہ گشت' ظاہر و ہویدا است' باوجود ایں ہمہ کثرت آں وحدت چوں عدد واحد در اعداد پاکی و ثنا باداں دیدہ راکہ بینا شدہ بہ بینائی او و آں گوش کہ شنوا گشتہ بہ شنوائی او و آں دل کہ از معرفت او' فانی ہستی باقی گشت:

دل صوفی صفائی باشد و بس
ہمہ را پیشوائی باشد و بس
دل صوفی نہ زاب و گل باشد
دل صوفی خدای باشد و بس

عاجزان گم کردہ دل راچہ مجال کہ ازایں قسم گفتگو درمیاں آرند (و) دریں باب حرف مذکور نمانید' نہا-تش چوں فکر ذات مقدس آں صاحبان دل فرو میرود' باثر آں توجہ دل بیدلاں راقوتے بہم می رسد و بہ برکت ایشاں بے اختیار ازیں ہماں قسم حرف سرمیزند' چہ لازمہ دل حضرت انساں است کہ در ہر فکرے و ذکرے کہ فرد میرو دل بے اختیار در خواب باوجود غفلت دل ہماں فکرو ذکری باشد' واگر ہذیاں بگوید ہم از ہماں قسم حرف از زبانش بر می آید' لہذا چوں ہمیشہ در دل ایں ہیچ اندیشہ اہل دل نمیگذرد' دل ایں بیدل بہماں برکت بطریق ہذیان ایں چند کلمہ گفتگو نمودہ' العفو' العفو۔

ایں قطرہ راچہ مجال کہ از دریا بگوید اماں چوں قطرہ را امید دریا شدن نیست بے اختیار است کہ خود را بدریا بکشد و از دریا گفتگو نماید تا باشد کہ صفت بے نہایتی دریا را در یابد' چہ قطرہ دراصل دریا بود' والا آں ہم دریا ہست' اما از نادانی و دوری خود قطرہ ماندہ و از بے نہایتی بہ نہایت رسیدہ' اما ہماں ساعت کہ دم از دریا زند بے شک دریا شود کہ استعداد دریا شدن برکمال دارد' بہرحال چوں پیش اہل نظر قطرہ را دریا شدن در کمال آسانی است' امیدوار است کہ بہ برکت ایشاں اگر نقصانے در دریا شدن ایں قطرہ ماندہ باشد برطرف گرددودریابد دریا شود۔

چوں اشتیاق و شوق ملازمت آں فرید عصر بسیار و ازحد بیرون است اگر قدم مبارک رنجہ فرمودہ یک گام .شہر ما نہند از خود خلاص می یابیم و ہستئی موہومئی ما مبدل بہستئی اصلی ایشاں میگرددو دل بار زوے خودی رسدو دیگر بہرروش رضا باشد ما راضی ایم کہ بے مطلباں رامطلب نمی باشد' والسلام۔

خط نمبر6

اللہ　　　　　　　　　　　　　　　　اللہ

بعد از سراپا نیاز مندی و اشتیاق می رساند کہ عنایت نامہ گرامی مانند وحی آسمانی پرتو نزول انداخت:

آں را کہ وصل دوست بود آرزو یقین
از نامہ و پیام تسلی کجا شود

مشغولی ظاہر و باطن کہ مامور بود انشاء اللہ تعالیٰ تقصیر نخواہد کرد' چوں ہم کنند بہتر و خوشتر ازیں چہ کار خواہد بود' اخلاص ایں ہیچ نسبت بخاک آں زمین کہ محل و مکان آں بے مکان است از حد و نہایت گزشتہ چراہم نگذرد:

دلیکہ عاشق صابر بود مگر سنگ است
زعشق تا صبوری ہزار فرسنگ است

میانجیو سلامت! لطیفہ نفیسہ کہ از زبان وحی ترجمان شما درباب از ترقی ماندن صوفی کامل شنیدہ بود' از زبان خود کردہ بحضرت پیرو دستگیر خود نوشتہ بود' بسیار خوش کردہ اند و در جواب بدستخط مبارک بایں مرید نوشتہ فرستادہ بودند' در ہمیں دو سہ روز رسیدہ بود' بجنسہ فرستادہ کہ مطالعہ فرمودہ' ایں شجرۂ فقیر را باز در عنایت نامہ خود پیچیدہ بفرستند و درباب فانی شدن وجود بعد از بقاہم انچہ میانجیو بایں نیست فہمایند اند' خوب حالی و خاطر نشین ایں فقیر شدہ بہ تحقیق چنانکہ فرمودہ اند۔

## (ب) بنام شیخ محب اللہ الہ آبادی

خط نمبر 1

قل اللھم ثم اللہ ھم، جامع علوم ظاہری و باطنی، حاوئی مراتب صوری و معنوی میاں شیخ محب اللہ را از محب فقراء دعا و سلام برسد، از گرفتن صوبہ الہ آباد بیشتر خوشحال از وجود شریف ایشان است، ہر کارے و مہمے کہ دراں رفاہیت مومناں باشد بباقی بیگ امری نمودہ باشند، و اخلاص ایں جانب را. فقراء بدرجہ اعلیٰ شناسند و امید کہ ایں چند سخن را جواب واضح بنویسند کہ حقیقت آنہا مفہوم شود۔

1۔ چیست اندریں راہ بدایت کار و نہایت کار، (2) چیست کہ معنی قول سید الطائفہ و جواب "ماالنہایہ" کہ فرمودہ "الرجوع الی البدایہ" (3) و کدام علم است کہ آنرا "حجاب اکبر" گفتہ اند (4) و انبیائے سابق را معرفت توحید بود یا نبود، (5) و ترقی را نہایت بود، یا نبود، (6) "ظلوما جہولا" در مذمت انسان یا در مدح، (7) و ہرگاہ معدوم شدن موجود محال باشد اشیا را چوں معدوم تواں گفت، (8) و تصور را اعتبار بود یا نبود، (9) و شغلے باشد کہ بے اختیار شاغل صادر شود (10) و نماز بے خطرہ کے میسر شود، (11) انسان را استعداد شناخت محض برابر بود یا نبود، (12) از تربیت ارواح معرفت حاصل گردد یا نہ (13) و بے نہایت در دل چگونہ گنجد (14) و طالب فانی گردد یا مطلوب، (15) طالب را بعد از موت وصل مطلوب ممکن باشد یا نہ، (16) و تفرقہ در درد و عشق چیست؟

## (ب) جواب سوالات مذکور از جانب شیخ مذکور

سوال اول۔ چیست اندریں راہ بدایت کار و نہایت کار؟

جواب۔ بدایت کار رستن از اعتبار غیریت است و نہایت کار پیوستن باعتبار عینیت۔

سوال دوم - چیست معنی آنکہ سید الطائفہ در جواب ماالنہایہ فرمود الرجوع الی

البدایہ؟

جواب۔ در آغاز برداشتن نظر از عین بتوہم غیر و در انجام پیوستن بخود بدریافت عین' وجہ دیگر سلوک بدایت ناسوت است کہ مقام عرش الرحمٰن است و غایت سلوک از عروج بنزول است کہ بمرتبہ ایمۂ (آئینہ) عرفان است ہمیں ناسوت است چہ عالم در رنگ حرکت دوریست' ہماں نقطہ کہ نہایت دائرہ است بدایت اوست۔

سوال سیوم۔ کدام است کہ گفتہ اند "حجاب اکبر"؟

جواب۔

علم گر بر دل زند یارے بود
علم گر بر تن زند بارے بود

ہر علم کہ منفی تو ہم دوئی است حجاب اوست' بنظر دیگر ہر علم کہ تعلق برنور تعینات بے ملاحظہ صاحبش یقین کہ حجاب اکبر اسّت و بیافت ایں شکستہ ہر علم کہ باشد حجاب است' بجہت آنکہ صفات حجاب ذاتست ازیں سبب کہ عارفاں در مقام ارشاد بطالباں در عبادت علم را مقید بقیدے نگرفتہ اند۔

سوال چہارم۔ انبیائے سابق را معرفت توحید بود یا نبود؟

جواب۔ پوشیدہ نماند کہ کمال معرفت کہ مذاق صوفیان است از لوازم مرتبۂ نبوت باشد' معلوم نیست' و جمیع انبیاء بایں مرتبہ از روئے فضل بہرہ ور باشند' ہمہ لازم نہ' اما جمیع انبیائے سابق از غیرتبہ بہرہ تمام نداشتہ باشند' وایں ہم نہ' بلکہ بیقین دانستہ شدہ کہ نصیب عین ایشاں تجلی ذات بے حجب صفات بود' غایۃ الامر اتباع ایشاں بمرتبۂ توحید رسیدہ اند' دیگر احوال انبیاء در قرآن مجید بروجہ احسن مذکور است' از انجا باد (نی) تامل بطریق اعلیٰ احوال بتفاوت ظاہر میشود' لیکن چوں شان انبیاء' مستدعی آن است کہ اسرار باشارہ میفرمایند کہ احکام فکر عامہ در یابد بتصریح لائح نمی سازند' نظر بحال ذکی و غبی' دگر مذاق بعضے گدایان متوجہ شوند' نیک روشن میشود کہ ہیچ دورہ نبود کہ خالی از عارف کامل باشد۔

سوال پنجم۔ ترقی را نہایت بود؟

جواب۔

اے برادر بے نہایت درگہے است
بر ہر آنچہ میرسی بروے مایست

در مرتبۂ ذات بجہت آنچنانہ میدانی۔

سوال ششم۔ "ظلوما جھولا" در مذمت انسان است یا در مدح؟

جواب۔ در مقام ترحم انسان است۔

سوال ہفتم۔ ہرگاہ معدوم شدن موجود محال باشد' اشیاء راچوں معدوم تواں گفت؟

جواب۔ بموجب "کل شی ھالک الا وجہہ" اشیاء معدوم است' باستعداد خویش موجود است' بوجہ کنایت از حقیقت مطلقہ است۔

اس کے بعد سوال ہشتم چاہئے تھا لیکن نہ سوال ہے نہ جواب۔

سوال نہم۔ شغلے بود کہ بے اختیار شاغل صادر شود؟

جواب۔ جان من' ہمہ ذی انفاس بشغل خویش مشغول اند' بے اختیار' اما منصب عارف بہ ہمیں واسطہ والاتراست کہ آگہی ازیں شغل بے کدوجہ تو دانستہ شاغل و ذاکر است۔

سوال دہم۔ نماز بے خطر کے میسر شود؟

جواب۔ نماز بے خطرہ وقتے دست دہد' کہ رجاو امید قلبی و قالبے کہ صفت مرات است از قوت جاذب عشق بذات سازج برکندہ شود' ونہال ناامیدی برارض اللہ کہ دل باشد استقرار یابد' و چشم ظاہرو باطن بتماشاے امواج وحدت آں قدر محو شود کہ علم ایں معنی ہم نماند وپس از اقامت بلسان حال گویا گردد:

دریا بوجود خویش موجے دارد
خس پندارد کہ ایں کشاکش باا وست

دیگر نماز بے خطرہ میسر گردد کہ از خطرہ امواج تعینات لجۂ وحدت نجات یابد' عزیزانے کہ نماز بے خطرہ مرادمی دانند' حاشاکہ نماز بے خطرہ باشد' آرے ایں قدر ہست کہ حلاوت بہ تبدیلات خطرہ بہم میرسد' زیراکہ "انک لعلی خلق عظیم"' انچہ اشارہ می فرمایند وبچہ دلالت مینمایند' اگر بنظر تحقیق ملاحظہ نمائی دریابی کہ نماز بے خطرہ است' از وجہ آنکہ صلوٰۃ کاملہ معراج مومن فرمودہ اند' ہرچہ واسط عروج است' خطرہ ملکی است' و بیک وجہ نماز بے خطرہ بعارف حاصل است' معرفت آنکہ جمیع خطرات راازمبدافیاض دانستہ و بس۔

سوال یازدہم۔ درانسان استعداد "شناخت محض" برابربودیانہ؟

جواب۔ اگر جمیع اراضی باستعداد باراں رحمت مستعد روئیدن نبات باشدپس درانسان ہم استعداد شناخت محض برابر بود' ہرگاہ دراصول مفردہ تفاوت بودہ' درفروع مرکب بطریق اولیٰ' چنانچہ زبان حال مولوی بدیں معنی ناطق است۔

ماہی ازسرکندہ باشد نے زدم

فافہم فتامل۔

سوال دوازدہم۔از تربیت روح معرفت تمام حاصل گردد یانہ؟

جواب۔ از موحد محقق ایں استفسار پس عجب است' ہرگاہ انسان جامع باشد وچوں تربیتے حقیقی ازارواح خودمی یابد آرے تاگرداب وہم گرفتاراست نمودات راغیری یابد وفیضان رابداں منسوب می سازد۔

سوال سیزدہم۔ بے نہایت در دل چگونہ گنجد؟

جواب۔ دل را بمرتبہ بے نہایت است، فافہم واگر ایں معنی مستبعد می نماند پس از گنجیدن بے نہایت بگذرد، خلاص۔

سوال چہاردہم۔ طالب فانی گردد با مطلوب؟

جواب۔ جان من! ایں دو اسم از رحمت طلب بہم رسیدہ پس از حصول عرفان بنفس ایں رحمت کہ برخواست زحمت الحاد پیش آمد:

اتحاد یار با یاراں خوش است

سوال پانزدہم۔ طالب را بعد از موت وصل مطلوب ممکن باشد یا نہ؟

جواب۔ الموت جر یوصل الحبیب الی الحبیب، کامل ہرچہ فرمود رسیدہ فرمود، بلکہ کمال انساں بے موت ممکن نیست۔

سوال شانزدہم۔ تفرقہ در درد و عشق چیست؟

جواب۔ درد نردبان عشق است:

ہر چہ در کائنات جز و کل اند
در رہ عشق طاقہائے پل اند

تم کلامہ۔

خط نمبر2

جامع علوم ظاہری و باطنی، حاوئی مراتب صوری و معنوی، الفانی فی اللہ شیخ محب اللہ را از محب فقراء دعا و سلام برسد، مکتوب ایشاں کہ مشتمل جواب سوالہا و اظہار شکر و

رضامندی از زمانہ خود بود رسدی' از مطالعۂ آں مسرت و خوش وقتی روے داد' ہم مشربی ایشاں معلوم خاطر گردید' کجا است کسے کہ معتقد ایں مشرب بود یا از اہل ایں مشرب بود' چہ جاے آنکہ ایں مشرب راصاف دریافتہ باشد' بعضے از جواب ایشاں کہ مطابق خواہش ایں جانب بود' و بعضے را از ذوق و وجدان خود کہ موافق کتاب اللہ سنت رسول اللہ بود دریافت و آنکہ در جواب ہا ہمہ جا حوالہ بقول قدما کردہ بودند تحقیق دانند کہ نزد ایں فقیر وجدے کہ موافق نیفتد بقول خدا و رسول بسے بہتر آنست (است) ازانچہ در کتابہا نوشتہ باشند' چہ مدتے کتب حال مشائخ مطالعہ میکرد' چوں اختلاف بسیار ظاہر شد' مطالعہ کتب را بالکل متروک ساخت و بمطالعہ دل کہ بحریست لامحدود و ازاں ہمیشہ گوہرہاے تازہ بروں می آید' پرداخت۔

مرا ہیچ کتابے دگر حوالہ مکن
کہ من حقیقت خود را کتاب می دانم

انچہ ازاں بحر بیروں آوردہ بود میخواست کہ در سلک تحریر آوردہ نزد ایشاں بفرستد تاانصاف بدہند اماں چوں لباس ظاہر و ادب باطن تقاضاے آں نمیکرد و موقوف بر خواہش و اشارۂ ایشاں داشتہ اگر ازانجانب اشارہ رود بتفصیل ظاہر نمودہ خواہد شد۔

(ج) بنام شہزادۂ اورنگ زیب

رقعہ سلطان داراشکوہ کہ در حالت قید بہ بادشاہ عالمگیر نوشتند۔

بھائی صاحب من' بادشاہ من!

خیال بادشاہی اصلا در دل نماند' شما و فرزندان شما مبارک' و فکر کشتن من بخاطر

مبارک ناحق است' اگر یک حویلی قابل سکونت و کنیز کے از کنیزان مخصوص ما برائے خدمت عنایت شود' بگوشہ عافیت در دعائے آں صاحب اشتغال نمائیم۔

# دسواں باب

## مکالمہ داراشکوہ و بابالال

بابالال سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی کے ہندوستانی مصلحین میں سے تھا۔ وہ کبیر کے سلسلے کا ایک ہندو یوگی تھا جس نے وحدت الوجودی صوفیوں اور بھگتی مارگ کے پیروکاروں کے عقائد کو ملا کر اپنے خیال میں ایک خالص توحیدی مذہب کی بنیاد رکھنا چاہی۔

وہ جہانگیر کے دور میں راجپوتانہ میں مالوہ کے مقام پر پیدا ہوا۔ اپنے گورو مشہور مصلح چیتن سوامی کے ساتھ پنجاب آیا اور مذہبی استغراق میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے بعد آخرکار پنجاب میں سرہند کے مقام پر آباد ہو گیا' جہاں اس نے ایک مندر کے ساتھ ساتھ اپنی کٹیا بھی بنالی(1)۔

قندھار کی ناکام مہم سے واپسی پر داراشکوہ 22 نومبر 1653ء کو لاہور پہنچا اور وہاں تقریباً تین ہفتے مقیم رہا۔ وہیں اس کی ملاقات بابالال سے ہوئی۔ داراشکوہ لکھتا ہے کہ بابالال منڈیا مکمل عارفوں میں سے ہے اور میں نے ہندوؤں میں کسی کو بھی اس کے برابر باعظمت و بااستقلال نہیں دیکھا۔ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر قوم میں عارف اور کامل درویش ہوتے ہیں جن کے طفیل خدا اس قوم کو نجات دیتا ہے۔

لاہور میں شہزادہ داراشکوہ کے قیام کے دنوں میں اس کے اور بابالال کے درمیان سات مکالمے ہوئے۔ یہ مکالمے ہندی میں لکھے گئے اور بعد میں داراشکوہ کے میر

منشی رائے چندر بھان نے' جو فارسی زبان کا ایک عالم اور شاعر بھی تھا۔ ان کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ وہ اس تمام گفتگو کے دوران ایک ترجمان کا کام بھی کرتا رہا اس نے "مکالمہ دارا شکوہ و بابا لال" کے نام سے اس گفتگو کی حرف بحرف روداد لکھی اور پھر اس نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا(2)۔

مجمع البحرین میں دارا شکوہ اس کو بابا لال بیراگی کہتا ہے' اور اس کو ان مسلمان صوفیوں اور درویشوں کی صف میں جگہ دیتا ہے' جن کو وہ اسلام میں صوفی سلسلے کے بہترین نمائندے سمجھتا ہے۔ مسلمانوں کی اس فہرست میں ایک ہندو کے نام کی شمولیت یہ ظاہر کرتی ہے کہ دارا شکوہ اس کو احترام کی کس نظر سے دیکھتا تھا۔

آیئے اب ہم اس کتاب میں راہ تصوف کے ایک پرجوش راہی (دارا شکوہ) کے چند سوالات اور اس کے راہبر (بابا لال) کے جوابات دیکھیں۔ ہم نے کہیں کہیں ان جوابات پر تبصرہ بھی کیا ہے۔

دارا: "ناد" کون ہے؟

بابا: "ناد" وہ ہے کہ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا' نہ آغاز ہے نہ انجام۔

دارا: "ناد" اور "وید" میں کیا فرق ہے؟

بابا: "ناد" بادشاہ ہے اور "وید" اس کا حکم۔

دارا: ہندوستان کے عوام کے لئے بت پرستی کی کیا اہمیت ہے؟ اور کس نے انہیں اس کا حکم دیا ہے؟

بابا لال: یہ تو ارتکاز کی ایک مشق ہے۔ جسے روح کا علم ہو گا وہ بھلا ہیئت کی بات کیوں کرے گا' لیکن جو باطنی شعور سے محروم ہے اسے اپنے آپ کو کسی نہ کسی روپ سے منسلک کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہی حقیقت ہے بت پرستی کی۔ جن کو روح کی معرفت نہیں ہے وہ شکل و صورت کے توسط سے اس کے حصول کے لئے یقیناً کوشاں ہوں گے' لیکن جونہی ان کو باطنی شعور حاصل ہو جائے گا وہ اس بت پرستی کو ترک کر دیں گے۔

بابا لال کے جواب سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ہندو قوم کو آج بھی باطنی شعور

حاصل نہیں کیونکہ ان کی بت پرستی کی رسم ابھی تک جاری ہے۔

دارا: ہندوؤں کے صحیفوں میں یہ درج ہے کہ جسے کاشی میں موت آجائے اسے نجات مل جاتی ہے۔ کیا اس سے پرہیزگار اور گناہ گار ایک ہی سطح پر نہیں آجاتے؟

بابالال: کاشی علامتی طور پر وجود کی نشان دہی کرتا ہے اور جو کوئی وجود میں تباہ ہوتا ہے اسے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

دارا: رامائن میں یہ لکھا ہے کہ جب رام چندر نے راون کو شکست دے کر لنکا فتح کیا تو دونوں اطراف سے بہت سے آدمی مارے گئے۔ رام چندر نے ان مردوں پر آب حیات چھڑکا جس سے ان کی اپنی تمام مردہ فوج زندہ ہو گئی' لیکن راون کی فوج کے مقتولوں میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہوا۔ سب جانتے ہیں کہ آب حیات مردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ پھر راون کے مردہ فوجی کیوں زندہ نہ ہوئے؟

بابالال: میدان جنگ میں راون کے لشکریوں کے ذہنوں میں رام چندر کا خیال چھایا ہوا تھا' چونکہ مرتے وقت ان کے دماغوں میں رام چندر ہی تھا۔ اس لئے ان کو مکتی (نجات) حاصل ہو گئی اور جن کو مکتی حاصل ہو جائے وہ پھر اپنے جسم میں کیوں واپس آئیں؟

دارا شکوہ اور بابالال کی اس گفتگو کا یہ دلچسپ نتیجہ نکلتا ہے کہ حق و باطل کی جنگ میں ہمیشہ باطل کو نجات حاصل ہو گی کیونکہ ان کے ذہنوں میں ہر وقت اپنے مخالفین یعنی حق پرستوں کا خیال چھایا ہو گا۔

دارا: ہندو روایات کے مطابق ایک دفعہ شری کرشن گوپیوں کے سامنے اپنی اصلی شکل میں آئے تھے۔ کیا انسانی آنکھ سے ان کی اصلی صورت نظر آسکتی ہے؟

بابالال: جو لوگ دنیاوی معاملات میں ملوث ہیں' انہیں یہ غیر متجسم شکل نظر نہیں آسکتی۔ یہ صرف فقیروں اور سادھوؤں کو نظر آتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نفسانی جذبات کو دبا کر رکھا ہے۔

دارا: دماغ کی حقیقت کیا ہے۔

بابالال: دماغ ہماری ارواح کو ماں' باپ' بھائی اور عورتوں سے محبت کرنا سکھاتا ہے۔

دارا: دماغ نظر تو نہیں آتا۔ اس کی ہیئت کیا ہے؟

بابالال: یہ تیز ہوا کی طرح ہے۔

دارا: وہ کیسے؟

بابالال: تیز ہوا درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے لیکن کسی کو نظر نہیں آتی۔ دماغ حواس سے کام لیتا ہے لیکن نظر نہیں آتا۔ اس لئے دماغ تیز ہوا کی طرح ہے۔

دارا: خالق اور مخلوق کے درمیان کیا فرق ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ ان میں وہی فرق ہے جو بیج اور درخت کے درمیان ہے۔

بابالال: نہیں' بلکہ خالق ایک دریا کی طرح ہے اور مخلوق دریا کی ایک موج' یا یوں کہئے کہ خالق ایک سمندر کی طرح ہے اور مخلوق کوزہ آب' یا پھر خالق ایک کان نمک ہے اور مخلوق دانہ نمک۔ اگرچہ ذات ایک ہی ہے لیکن مرتبے میں بہت فرق ہے۔ خالق خالق ہے اور مخلوق مخلوق۔

یاد رہے کہ صوفیاء کرام اسی کو نظریہ وحدت الوجود کہتے ہیں! حالانکہ در حقیقت خالق و مخلوق کا فرق درجے کا نہیں بلکہ نوعیت کا ہے۔

دارا: جیو آتما اور پرم آتما میں کیا فرق ہے؟

بابا: کوئی فرق نہیں۔

دارا: اگر کوئی فرق نہیں تو ثواب و عذاب' آرام و بے آرامی اور راحت و رنج کس لئے؟

بابا: یہ ظرف کی تاثیر ہے جس طرح دریائے گنگا اور کوزے میں گنگا کا پانی۔

دارا: ان میں کیا فرق ہے؟

بابا: بہت فرق ہے۔ اگر کوزے والے گنگا کے پانی میں شراب کا ایک قطرہ ڈال دیا جائے تو تمام کے لئے شراب کا حکم ہے' لیکن شراب کے لاکھوں کوزے گنگا میں

بہادیئے جائیں تو وہ گنگا ہی رہے گی۔ اسی طرح پرم آتما خالص اور آزاد ہے اور جیو آتما قید وجود میں ہے۔

یہ مکالمے زیادہ تر مذہبی موضوعات پر ہیں' لیکن تصوف اور وحدت الوجودیت پر بھی گفتگو ہے۔ بعض اوقات بالکل معمولی باتوں پر تبصرہ ہے اور اکثر جوابات مبہم ہیں۔ ان مکالموں سے داراشکوہ کی سوچ کا جو اندازہ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہندو لٹریچر اور علم الاصنام سے بخوبی آگاہ تھا۔

چرنجی لال کے مرتب کردہ یہ مکالمے 1885ء میں دہلی سے' منشی بلاقی داس کے مرتب کردہ (اردو ترجمے کے ساتھ) 1896ء میں دہلی سے اور ملک چنن دین لاہور کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔

بکرماجیت حسرت لکھتا ہے (3) کہ اس نے مذکورہ بالا تین ہندوستانی ایڈیشنوں کا پیرس والے ایڈیشن سے مقابلہ کیا تو ان میں بڑا فرق نظر آیا۔ یہ بات بہت دلچسپ ہے کہ اکثر کتابوں میں یہ کہا گیا ہے کہ بابا لال نے ہندی زبان میں داراشکوہ کے سوالات کے جوابات دیئے اور پھر چندر بھان برہمن نے ان کا فارسی میں ترجمہ کیا' لیکن دہلی اور لاہور ایڈیشن دیکھیں تو اس میں ہندی سے ترجمہ والی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی کیونکہ بابا لال کے بعض جوابات عربی میں ہیں۔ مثلاً"

گفتم کہ موجودات تکیہ گاہ فقیر چیست؟

(میں نے کہا کہ فقیر کی خانقاہ میں کیا کیا موجود ہے؟)

گفت المفلس فی امان اللہ۔

(اس نے کہا کہ مفلس اللہ کی حفاظت میں ہے)

گفتم برائے فقیر چہ مناسب است؟

(میں نے کہا فقیر کے لئے کیا مناسب ہے)

گفت لا الہ الا اللہ۔

(اس نے کہا کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں)

# حوالے


D. Wilson: Religious Sects of Hindus, Journal Asiatique,-1
Paris, 1832.

Text of Mukaalma Baaba Laal wa Dara Shikoh, -2
Journal Asiatique, Paris, Tome CCIX, No. II.

3۔بکرماجیت حسرت' داراشکوہ (بزبان انگریزی)۔ صفحہ 245-

# گیارھواں باب

## متفرقات

اس باب میں دارا شکوہ کی غیر معروف تصنیفات و تالیفات کا مختصر ذکر ہے۔

### ☆ طریقتہ الحقیقت

طریقتہ الحقیقت دارا شکوہ کا ایک غیر معروف رسالہ ہے(1)۔ یہ تو معلوم نہیں کہ یہ کب لکھا گیا' لیکن برج لال پریس نے اسے 1857ء میں گوجرانوالہ سے شائع کیا۔ اس کا نفس مضمون اس مسودے سے کافی مختلف ہے جو پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں "رسالہ تصوف" کے نام سے موجود ہے۔ 1341ء کو لاہور سے بھی اس کا ایک ایڈیشن شائع ہوا جو گوجرانوالہ ایڈیشن سے ملتا جلتا ہے۔

دارا شکوہ کی دیگر تصانیف کے برعکس' اس رسالے کی عبارت مرصع اور پر تکلف ہے۔ اس کا لب و لہجہ نصیحت آمیز اور جذباتی ہے جو دماغ کی بجائے دل کو اپیل کرتا ہے۔ تحریر میں ایک لطافت ہے۔ اس رسالے میں جگہ جگہ پر رباعیات' ابیات اور نظمیں بکھری پڑی ہیں جس سے اس کے خلیسانہ طرز بیان کی شگفتگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ رسالہ 30 حصوں میں ہے اور ہر حصے کو عارف کی راہ گزر کی ایک منزل کہا گیا ہے۔

دارا شکوہ کہتا ہے کہ عارفوں کے روشن ضمیر اور اہل دل کے عالی دماغوں کو معلوم ہو کہ جب ہادی برحق نے میرے خیال کے آئینے میں فکری رازوں سے پر الفاظ کی ایک

جھلک دکھائی تو میرے لئے انہیں احاطہ تحریر میں لانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس طرح میں نے انہیں شہود کے میدان میں صف آرا کردیا۔ میں نے اس رسالے کا نام "طریقتہ الحقیقت" رکھا ہے۔ امید ہے کہ دور اندیش اور اہل یقیں حضرات کو پسند آئے گا۔

☆ جوگ بشت

"جوگ بشت" رشی بشت کی طرف سے اپنے شاگرد راجکمار رام چندر کے لئے ہندو تصوف کے دقیق فلسفہ کی تعلیم پر سنسکرت میں ایک گراں قدر تصنیف ہے۔ داراشکوہ کا تصوف کا شوق اسے کشاں کشاں اس کتاب کی طرف بھی لے گیا اور اس نے اس کے فارسی ترجمے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کا مترجم، جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا، اس کے تعارف میں لکھتا ہے کہ اس سے پہلے جن سکالرز نے اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے انہوں نے سنسکرت کی بعض اصطلاحات کو نظرانداز کردیا ہے۔ اس لئے وہ نفس مضمون کی لطافتوں کو پوری طرح بیان نہیں کرسکے۔ اس لئے 1066ھ/1656ء میں داراشکوہ بن شاہجہاں نے اس کتاب کے رواں فارسی میں ترجمے کا حکم دیا کیونکہ اس کتاب کے پرانے ترجمے جو اب بھی کہیں کہیں مل جاتے ہیں، حق کے متلاشیوں کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں۔ اس لئے شہزادہ داراشکوہ کی خواہش ہے کہ تمام فرقوں کے اہل علم کے مشورے سے اس کا ترجمہ کیا جائے۔ شہزادہ داراشکوہ لکھتا ہے کہ اس حکم کی فوری وجہ یہ ہوئی کہ مجھے خواب میں دو بزرگ نظر آئے۔ ان میں سے ایک لمبے قد کا تھا جس کے بال سفید ہوچکے تھے۔ دوسرا چھوٹے قد کا تھا اور بغیر بالوں کے۔ پہلا شخص رشی بشت تھا اور دوسرا راجکمار رام چندر۔ میرے دل کو ان دونوں حضرات کی طرف کشش ہوئی اور میں ان کی تعظیم بجالایا۔ رشی بشت مجھ پر بہت مہربان تھے۔ انہوں نے مجھے تھپکی دی اور رام چندر کو مخاطب کرکے کہا کہ میں اور داراشکوہ بھائی بھائی ہیں کیونکہ ہم دونوں حق کے متلاشی ہیں۔ ان کے کہنے پر رام چندر کمال محبت سے مجھ سے بغل گیر ہوئے۔ اس کے بعد رشی بشت نے رام چندر کو مٹھائی دی جو میں نے ان سے لے کر کھائی۔ اس خواب کے بعد

میرے دل میں کتاب کا ایک اچھا ترجمہ کرانے کی خواہش بہت شدت اختیار کر گئی۔ چنانچہ داراشکوہ کے حکم پر اس کے ایک درباری نے چند معروف مقامی پنڈتوں کی مدد سے یہ کام سرانجام دیا۔

سید ابوالخیر مودودی لکھتے ہیں (2) کہ ہمارے خیال میں اس کتاب کا ترجمہ اس لئے کیا گیا کہ اس میں راجکمار رام چندر کو راجکمار ہونے کے باوجود اوتار کے روپ میں دکھایا گیا ہے۔ اسی طرح شہزادہ داراشکوہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ شہزادہ ہونے کے باوجود وہ واصل الی الحق ہے۔

## ☆ بھگوت گیتا

سنسکرت کی مشہور و معروف کتاب "بھگوت گیتا" کا فارسی ترجمہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔ مسودہ کا نمبر 1494ء ہے۔ ڈاکٹر ریو (Dr. Rieu) کی رائے کے برعکس ڈاکٹر اتھے (Dr. Ethe) کا خیال ہے کہ یہ ترجمہ ابوالفضل کا نہیں بلکہ شہزادہ داراشکوہ کا ہے۔ اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ مسودہ میں نہ تو مترجم کا نام ہے اور نہ ہی اس پر کوئی تاریخ درج ہے۔

## ☆ داراشکوہ کی بیاض

"مخزن الغرائب" فارسی شعرا کے سوانح کی ایک گراں قدر کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ داراشکوہ نے ایک بیاض بھی مرتب کی تھی جس سے "مخزن الغرائب" کے مصنف، احمد علی سندیلوی، اپنا تذکرہ لکھتے ہوئے مستفید ہوئے تھے، محفوظ الحق "مجمع البحرین" کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ اس وقت اس بیاض کی کوئی بھی نقل علوم شرقیہ کی کسی لائبریری میں نہیں ہے۔ اگر یہ بیاض مل جاتی تو داراشکوہ کے شاعرانہ ذوق پر اچھی خاصی روشنی ڈالتی۔

### ☆ داراشکوہ کی دیگر تصنیفات

پیرس کے Bibliotheque National میں "نگارستان منیر" کا مسودہ محفوظ ہے (بلوچٹ (Blochet) کی فہرست میں نمبر701)۔ اس کے علاوہ دارا شکوہ سے اور تصانیف بھی منسوب ہیں۔ اگر ان کا پتہ چل جائے تو اس کے احوال و آثار و افکار پر مزید روشنی پڑ سکتی ہے۔ مولوی محفوظ الحق نے ان تصانیف کی فہرست مرتب کی ہے جو داراشکوہ سے منسوب تو ہیں لیکن ابھی تک مشرق و مغرب کی کسی اہم لائبریری میں ان کا سراغ نہیں ملا۔ مثلاً- داراشکوہ کی خودنوشت سوانح عمری۔

# حوالے

1۔ داراشکوہ' طریقتہ الحقیقت' لاہور۔ 1341ھ ترجمہ: مولوی احمد علی بٹالوی' ملک فضل دین' کشمیری بازار' لاہور۔

2۔ سید ابوالخیر مودودی' دارا شکوہ' المعارف' جلد 27 شمارہ 10' اکتوبر 1993ء ادارہ ثقافت اسلامیہ' 2 کلب روڈ لاہور۔

# بارھواں باب

## شخصیت اور مذہب

ہم گزشتہ ابواب میں داراشکوہ کے حالات زندگی پڑھ چکے اور اس کی تصنیفات کا تنقیدی جائزہ لے چکے ہیں۔ ان سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک ذہین، نکتہ سنج اور عالم شہزادہ تھا۔ بادشاہ کا لاڈلا بیٹا ہونے کی وجہ سے وہ ایک ایسا خود سر اور خوشامد پسند شخص بن گیا تھا جس کے لئے اختلاف رائے ناقابل برداشت تھا۔ مزید برآں وہ خود کو ذہنی اور علمی طور پر اتنے بلند مقام پر تصور کرتا تھا کہ عام طور پر کسی مشورے کو سننا بھی اسے گوارا نہ تھا۔

داراشکوہ کو عربی اور فارسی زبان پر عبور حاصل تھا اور مطالعہ کا بے حد شوق۔ وہ اپنے آپ کو حنفی قادری کہتا تھا یعنی امام ابو حنیفہ کا پیرو کار اور قادریہ سلسلہ کا ایک فرد۔ وہ حکیم سنائی کے مقبرے پر جانے کو صرف اس لئے تیار نہیں تھا کہ ان کے اشعار سے اسے یہ شبہ رہا تھا کہ وہ سنی نہیں ہیں، لیکن ملاشاہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد اس کے خیالات میں تبدیلی آنے لگی، اور اس پر تصوف کی ایک گہری چھاپ پڑ گئی۔ اس نے سنسکرت زبان سیکھنے کے ساتھ ساتھ ہندو دھرم کی مقدس کتابوں کا مطالعہ بھی شروع کر دیا، بالخصوص اپنشدوں کا۔ اس کے ذہن میں اپنی عظمت کا احساس راسخ ہو گیا اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ شہزادہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر فضل الہٰی بھی ہے۔

اس نے صوفیوں سے اپنے تعلقات بڑھائے، اور ان کی بے حد تعظیم کی، چنانچہ

وہ میاں میر کے پھینکے ہوئے لونگ چباتا' ان کے کمرے کی طرف ننگے پاؤں جاتا اور ان کے سامنے ہمیشہ نہایت مؤدب رہتا۔ ملاشاہ تو اس کے پیرو مرشد تھے۔ وہ اس پر مہربان تھے اور اسے بہت تواضع سے ملتے۔ سرمد کاشانی اور محب اللہ الہ آبادی کے نام اس کے خطوط نہ صرف اس کے مطالعے کی وسعت اور نکتہ سنجی کے شاہد ہیں بلکہ اس کی سوچ کی عکاسی بھی کرتے ہیں اور اس کے فکر کی گہرائی کے غماز ہیں۔

دارا شکوہ کی فنون لطیفہ میں دلچسپی مغل خاندان کی روایات میں سے ہے۔ وہ ایک شاعر تھا مگر اس کی شاعری بھی تصوف ہی کے گرد گھومتی رہی۔ وہ ایک نہایت اچھا خطاط تھا جسے نستعلیق اور نسخ دونوں میں مہارت تامہ تھی۔ مصوری کا شوق اسے ورثے میں ملا تھا۔ اس کا تیار کردہ تصویروں کا البم مغلیہ دور کے بہترین ثقافتی خزانوں میں سے ہے۔

دارا شکوہ پتہ مار کر کام کرنے کا عادی تھا لیکن وہ ایک مخصوص نظریے کا حامل تھا۔ وحدت الوجودی ہونے کی وجہ سے وہ ہر بات کو اسی نظریئے سے وابستہ کرتا تھا۔ اس کے مرشد ملا شاہ کو سالہا سال سے نیند نہیں آرہی تھی۔ خود ملاشاہ نے اس تمنا کا اظہار کیا کہ کاش مجھے چند گھڑی ہی نیند آجائے۔ لیکن دارا شکوہ ان کی اس نعمت سے محرومی کی کوئی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اپنے فلسفہ وحدت الوجود کے تحت اسے اللہ تعالٰی کی صفات سے جا ملاتا ہے۔ وہ میاں میر کو مردے زندہ کرنے کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور سمجھتا ہے۔ دارا شکوہ میں یہ عادت بھی ہے کہ وہ قرآن کریم اور احادیث کی تشریح اپنی مرضی کے مطابق کرلیتا ہے۔ در حقیقت پنڈتوں' یوگیوں اور سنیاسیوں سے ملاقاتوں اور اپنشدوں اور ہندو علم الاصنام کے مطالعے کے بعد اس کی سوچ کا انداز بالکل بدل گیا تھا۔

دارا شکوہ کی تصانیف کا تجزیہ کرنے سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اس کا ابتدائی مطالعہ مسلمان صوفیاء اور ان کے نقطہ نظر کے بارے میں تھا۔ اس میں دیگر مذاہب کے صوفیانہ رویوں کا مطالعہ شامل نہ تھا۔ سفینۃ الاولیاء' سکینۃ الاولیاء' رسالہ حق نما اور حسنات العارفین اس کے شاہد ہیں۔ صرف "حسنات العارفین" (1062ھ) میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ہندو بزرگ بابالال کی شطحیات کو نقل کرتا ہے۔ تاریخی طور پر اس

کی اگلی کتاب "مجمع البحرین" ہے۔ یہ کتاب 1065ھ میں لکھی گئی۔ اس میں دارا شکوہ نے ہندو مذہب کے حوالے سے اپنے خیالات کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ دارا شکوہ کو اس بات کا احساس تھا کہ دونوں مذاہب کے بہت سے ماننے والے اس کے بے باک خیالات کا کوئی اچھا تاثر نہیں لیں گے۔ اس لئے اس نے اپنی کتاب میں یہ بھی لکھ دیا کہ میں نے یہ کتاب اپنے افراد خاندان کے لئے لکھی ہے' اور دونوں مذاہب کے عوام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس نے یہ کتاب کسی کے لئے بھی لکھی ہو' ہے تو اسی کے خیالات کی نمائندہ۔ درحقیقت یہ کتاب اسلام اور ہندو دھرم کو ملانے کی ایک ناکام کوشش ہے۔ مصنف کے مطابق عناصر' خدا' روح' لاانتہا سے رابطہ' قیامت' کائنات' مکتی وغیرہ کا تصور' اسلام اور ہندو دھرم میں ایک ہی ہے۔ دارا شکوہ اسلام اور ہندو دھرم کا تقابلی مطالعہ کرتا ہے اور اپنے خیال میں ان کے درمیان ہم آہنگی والے نکات کو سامنے لایا ہے۔ اس کتاب میں ہم نے تفصیلی جائزے سے یہ واضح کر دیا ہے کہ اسلام اور ہندو دھرم کے درمیان یک جہتی ثابت کرنے کے لئے اس نے اسلام کی وہ تشریح کی ہے جو قرآن اور حدیث سے ثابت نہیں ہے اور جسے کھینچ تان کر بھی اسلام سے ہم آہنگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی تصانیف کے مطالعے کے بعد شدت سے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریات اپنشدوں سے مستعار لیتا ہے اور پھر یہ کوشش کرتا ہے کہ قرآن و حدیث کو بھی ان کے مطابق ثابت کرے۔

1065ھ کے بعد دارا شکوہ کا زیادہ شوق ہندو دھرم کے مطالعے کا تھا۔ چنانچہ 1066ھ میں اس نے "جوگ بشست" کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ اس کے ایک سال بعد اس نے خود اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ تقریباً اسی زمانے میں اس نے بھگوت گیتا کا خود ترجمہ کیا یا اپنے کسی درباری سے کرایا۔ دارا شکوہ نے اس رائے کا اظہار بھی کیا ہے کہ وید الہامی کتابیں ہیں۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق بہت سی الہامی کتابیں اتریں' لیکن اب وہ منسوخ ہو چکی ہیں۔ کیا وید بھی الہامی ہیں؟ اس بارے میں ہم کچھ کہہ نہیں سکتے کیونکہ قرآن نے جن چند الہامی کتابوں کے بارے میں ہمیں قطعی طور پر بتایا ہے ان

میں وید شامل نہیں۔ البتہ وید اپنی اصلی صورت میں اب موجود نہیں۔ ہاں، جو شخص مختلف مذاہب کے گہرے مطالعہ کا شوق رکھتا ہے وہ ان کتابوں سے مستفید ہو سکتا ہے۔

یہاں اس نکتہ پر غور کرنا بھی ضروری ہے کہ کیا دارا شکوہ واقعی یہ سمجھتا تھا کہ اسلام اور ہندو مذہب ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں یا اس کی سوچ یہ تقاضا کر رہی تھی کہ ملکی سیاست کے لئے مذہبی معاملات میں اس قسم کی روش اختیار کی جائے کہ مسلمان اور ہندو دونوں اسے اپنا دوست سمجھیں۔ یعنی دارا شکوہ کا ہندومت کی طرف رجحان، سیاسی مقصد کی وجہ سے تھا۔ تخت نشینی کی جنگ چھڑنے سے پہلے کے حالات یہ بتا رہے تھے کہ شاہجہان کے بعد دارا شکوہ ہی بادشاہت کا تاج اپنے سر پر رکھے گا۔ دارا شکوہ کو اس پر مکمل یقین تھا۔ چنانچہ اس نے وہ روش اختیار کرنا چاہی جس سے مسلمان اور ہندو دونوں اسے اپنا رہنما تصور کریں۔ ہندو ہندوستان کی سب سے بڑی قوم تھے۔ اور دارا شکوہ کے خیالات اور عمل کی بنا پر اس کے گرویدہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جب دارا شکوہ تخت نشیں ہو گا تو انہیں پھر وہی اثر و رسوخ حاصل ہو جائے گا جو اکبر کے زمانے میں حاصل تھا۔ لیکن دارا شکوہ کے قتل کے بعد، اورنگ زیب کے تخت نشین ہونے پر، ایسی تمام توقعات ختم ہو گئیں۔ دارا شکوہ کا یہ خیال کہ مسلمان اس کی ہر قسم کی توجیہات کو برداشت کر لیں گے غلط ثابت ہوا۔ اس کے فکر و عمل کو الحاد اور کفر سمجھا گیا۔ مسلمان امراء اور عوام اس کے خلاف ہو گئے۔ مزید برآں اس کی زبان کے زخم خوردہ امراء دلوں میں بغض و کینہ لئے بیٹھے تھے جس کا اظہار انہوں نے میدان جنگ میں دارا شکوہ کی فوج کا ایک حصہ ہوتے ہوئے بھی غیر جانبدار رہ کر یا اسے غلط مشورے دے کر کیا۔ اس پر طرہ یہ کہ دارا شکوہ سیاسی جوڑ توڑ کی بجائے رعب دبدبے سے کام لینے کا عادی تھا۔ یہ دبدبہ شاہجہاں کے دربار میں کام آئے تو آئے، میدان جنگ میں امراء کا دلی تعاون حاصل نہ کر سکا۔ یہ ساری باتیں مل کر اس کی شکست کا سبب بنیں۔

درحقیقت، نہ صرف اورنگ زیب بلکہ شاہجہاں کے مسلمان امراء بھی دارا شکوہ کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ وہ شاہجہاں کے بعد بادشاہ بنے کیونکہ وہ ہندو مذہب

سے اتنا متاثر ہو چکا تھا کہ اس نے نماز' روزہ اور شریعت کی طرف سے عائد کردہ دیگر ضروری فرائض ترک کردئے تھے(1)۔ اس کے افکار و اعمال سے یہ واضح ہو چکا تھا کہ اس کے تخت نشین ہونے پر اسلام کی نئی نئی تاویلیں ہوں گی' مسلمانوں کے اعتقادات پر ضرب لگائی جائے گی اور اکبر بادشاہ کا دور لوٹ آئے گا۔ بقول اقبال:

تخم الحادے کہ اکبر پرورید
باز اندر فطرت دارا دمید

اس میں کوئی شک نہیں کہ دارا شکوہ کے بادشاہ بن جانے کی صورت میں ہندوستان میں اسلام کو ہندو مذہب کی ردا سے ڈھانپ دیا جاتا۔

یہ بات بہت دلچسپ ہے کہ ایک طرف تو دارا شکوہ صوفی ہونے کا دعوے دار ہے اور دنیا سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہے مگر دوسری طرف وہ ہندوستان کی حکومت کا تاج اپنے سر پر رکھنے کے لئے پوری کوشش کر رہا ہے۔ ہمیں صوفیائے کرام کی پوری تاریخ میں ایک شخصیت بھی ایسی نہیں ملتی جس نے اقتدار حاصل کرنے کے لئے جنگ یا جدوجہد کی ہو۔ اس سے بھی اس نظریے کو تقویت ملتی ہے کہ دارا شکوہ کا سارا کھیل سیاسی تھا۔

مشہور سیاح منوچی' جس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ ہندوستان میں گزارا' کہتا ہے (2) کہ دارا کا کوئی مذہب نہ تھا' جس مذہب کے پیروکاروں سے اس کا رابطہ ہوتا اسی مذہب کے بنیادی عقائد کی تعریف کردیتا۔ اکبر بادشاہ کی طرح وہ مختلف مذاہب کے علماء کے درمیان مناظروں سے لطف اندوز ہوتا۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ دارا شکوہ کی سوچ' اس کی تحریریں اور اس کا عمل' راسخ العقیدہ مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت تھے۔ چنانچہ اس کی تصانیف' خاص طور پر مجمع البحرین کی وجہ سے' اسے مرتد' ملحد اور بے دین قرار دیا گیا اور آخرکار اسی جرم میں اس کا سر قلم کردیا گیا۔

# حوالے

1- محمد کاظم: عالمگیر نامہ، بحوالہ

Elliot and Dawson, The History of India

as told by its own Historians,

Vol. 7, London 1877.

N.Manucci, Storia do Mogor. Engl.tr.-2

W.Irvine, London, 1906.

# اشاریہ

(اس میں حوالہ جات اور حواشی کے صفحات شامل نہیں ہیں)

## ز



## س



## ش

## ظ



## ع



## غ



## ف

## ق



## ک



## گ



## ل



## م